قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جون
1998ء

قرآن نے کہا

ایک نے کہا "حکم حاکم مرگ مفاجات"۔ اطاعت حاکم کے حکم کی ہے جو کسی صورت میں ٹل ہی نہیں سکتا۔

دوسرے نے کہا کہ اطاعت روحانی پیشواؤں کی ہے۔ جو حکم وہاں سے ملے اس پر آنکھ بند کر کے عمل کیے جاؤ۔

قرآن نے کہا کہ وہ بھی غلط اور یہ بھی غلط۔

ما کان لبشران یوتیه الله الکتاب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عباد الی من دون الله ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون (3/78)

کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ تم خدا کے احکام کی نہیں بلکہ میرے حکم کی اطاعت کرو۔ اسے یہی کہنا چاہئے کہ تم اس ضابطہ خداوندی کی اطاعت کرو جسے تم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو اور جس کی تعلیم عام کرتے ہو اور اس طرح خدا کی صفت رب العالمینی کے مظہر بن جاؤ۔

اطاعت کسی انسان کی جائز نہیں۔ اطاعت صرف کتاب اللہ کی ہے یعنی اس حکم کی جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔

کویت میں یومِ اقبالؒ کے مناظر

سامعین کا ایک منظر

دائیں سے بائیں عبدالرحمن العرائیں' سفیرِ پاکستان خلیق احمد مر

ملک معراج خالد

مہمان خصوصی' پروفیسر فتح محمد ملک' ٹی۔ آر۔ بلوچ ڈپٹی چیف آف مشن

مہمانان خصوصی سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

ہال میں داخلے کا منظر۔ اقبالؒ کی تصاویر کی نمائش

سامعین کا ایک منظر

مہمان خصوصی اراکین بزم کے ساتھ

مہمان خصوصی بزم کے آفس میں

سامعین کا ایک منظر

بچوں کا ٹیبلو نغمہ "اقبالؒ ہمارا ہے"۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

25-B گلبرگ 2 (طلوعِ اسلام روڈ) لاہور 54660

Phone: 876219-5764484-5753666

چیئرمین: ایاز حسین انصاری

ناظم: محمد لطیف چوہدری

ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں

سرکولیشن منیجر: مرزا زمرّد بیگ

ایڈیٹر

محمد لطیف چوہدری

مجلس شاورت: عبداللہ ثانی ڈاکٹر صلاح الدین اکبر بشیر احمد عابد

مجلہ طلوع اسلام کا سالانہ زرِ شرکت

پاکستان میں	=/170 روپے
یورپ اور مڈل ایسٹ	=/600 روپے
امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا	=/800 روپے

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-3082 نیشنل بنک

مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

صفحات	ایک بار	سال بھر کیلئے
باہر ٹائیٹل	=/800 روپے	=/6,000 روپے
اندر ٹائیٹل	=/600 روپے	=/5,000 روپے
اندر کے صفحات	=/500 روپے	=/4,000 روپے
نصف صفحہ	=/300 روپے	=/2,000 روپے

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لیے ہے

اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال کریں۔

فی پرچہ 15 روپے

مقامِ اشاعت: 25-B گلبرگ لاہور

پرنٹر: ایم ایس عادل - پریس: زاہد بشیر پرنٹنگ پریس

فہرست

لمحہ فکریہ

1- ایٹمی دھماکے	ادارہ	4

اقبالیات

2- بیاد اقبال	ریو تاز	6
3- تعارفی خطاب بسلسلہ تقریب یوم اقبال"	عبید الرحمان ارائیں	40
4- اقبال" کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز	پروفیسر فتح محمد ملک	25
5- اقبال اور ہم	مسز غزالہ شاہد	31
6- لا الہ الا اللہ اقبال" کی نظر میں	خطاب ملک معراج خالد	32

تحقیق و تذکیر

7- مسجد اقصیٰ	حاجی حبیب الرحمان	8
8- قانون تخلیق کے دو بنیادی عناصر	علامہ رحمت اللہ طارق	50
9- سچے موتی	ادارہ	45
10- Administration of Islamic Laws	Dr. Mahathir Bin Mohammad	57

متفرق

11- صدر مملکت کا حج (6 اپریل 1998ء)	خالد محمود سید	21
12- مسلمان، کون سا والا	ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)	18
13- تبصرہ کتب	ادارہ	48
14- وہ عالمگیر افسانے جنہیں حقیقت سمجھ لیا گیا	ادارہ	14
15- ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ!	علامہ غلام احمد پرویزؒ	11
16- قادیانیوں کی منطق اور طرز استدلال	محمد سلیم ساقی	23

گپ شپ

17- آغاز سفر	عاطف طفیل	51

سیمینار

بعنوان

اقبال اور قرآن

اقبال ہمارے نزدیک نہ کسی شاعر کا نام ہے نہ کسی فلاسفر کا- اس سے مراد ایک ایسا صاحب بصیرت' مرد مسلمان ہے جس نے صدیوں کے بعد اسلام کی ان اساسات کو' جو دشمنوں کی سازش اور ہماری جہالت کے ملبے کے نیچے دب چکی تھیں' پھر سے اجاگر کیا- اقبالؒ کی انہی کاوشوں کو عوام تک پہنچانے کے لئے ملک بھر سے دانشوران قوم کو اظہار خیال کی دعوت دی جا رہی ہے-

یکم نومبر 1998ء صبح 9 بجے **ایوان اقبال** لاہور تشریف لانے کا پروگرام ابھی سے بنا لیجئے-

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ایٹمی دھماکے

11 مئی 1998ء کو شام چار بجے اپنے ہی علاقے راجستھان میں بھارت نے ایٹمی دھماکے کئے تو دنیا بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی حالانکہ دھماکہ خیز مواد اور اسے استعمال میں لانے کی فنی صلاحیت بھارت کے پاس اس سے پہلے بھی موجود تھی اور سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے بعد بھی موجود رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ بھارت کی طرف سے جو حالات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ ان میں قرآن کریم ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے اور مسلمانان پاکستان پر اس سلسلہ میں کیا فریضہ عائد ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے۔ جب یہ دیکھا جائے کہ ان کی روک تھام کیلئے تمام مصالحانہ تدبیریں ناکام ہو چکی ہیں اور یہ کسی معقول بات کے سننے کیلئے تیار ہی نہیں تو پھر اس کے سوا چارہ کار ہی کیا رہ جاتا ہے کہ ان کی روک تھام قوت سے کی جائے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے قرآن کریم نے کہا کہ **لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتٰب والمیزان۔** ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل اور ضوابط قانون دے کر بھیجا۔ اور میزان عدل بھی۔ **لیقوم الناس بالقسط** تاکہ لوگ عدل کو قائم رکھ سکیں۔ اس کے بعد ہے **و انزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس۔** ان کے ساتھ ہم نے فولاد (شمشیر خارہ شگاف) بھی نازل کیا جس میں بڑی سختی ہوتی ہے۔

یہ واضح ہے کہ اسلام ایک نظام زندگی ہے جو ایک آزاد خطہ زمین ہی میں تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ یہ خطہ زمین ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے، کہ اگر یہی محفوظ نہ رہا تو جماعت مومنین خود ہی امن میں نہیں رہ سکے گی چہ جائیکہ وہ امن عالم کے قیام کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مملکت کی سرحدوں کو مضبوط رکھا جائے اور ہر خطرہ کے مقابلہ کے لئے پوری پوری تیاری کی جائے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے۔

و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و اخرین من دونھم لاتعلمونھم اللہ یعلمھم (8/60)

ان کی روک تھام کے لئے تم اپنے ہاں امکان بھر قوت فراہم کرو۔ حفاظت کے لئے اپنی سرحدوں پر فوجی چھاؤنیاں ڈالو تاکہ اس سے تمہارے اور تمہارے نظام خداوندی کے دشمنوں کے دل میں تمہاری دھاک بیٹھی رہے۔ ان دشمنوں کے علاوہ ان دشمنوں کے دلوں میں بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے لیکن خدا کو ان کا علم ہے۔

اس لئے کہ جب تک کسی ملک کی سرحدیں مضبوط اور محکم نہیں ہوں گی، وہ ملک محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اور جب ملک ہی محفوظ نہیں ہو گا۔ تو اس کا نظام کس طرح محفوظ اور برقرار رہ سکے گا؟

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

پھول کی حفاظت کے لئے کانٹوں کا وجود ضروری ہے۔ لیکن ان کا وجود مقصود بالذات نہیں۔ ان کا مقصد پھول کی

حفاظت ہے۔ نہ کہ خواہ مخواہ راہ چلتوں کے ہاتھوں کو زخمی کرنا۔

ان حقائق کی روشنی میں اب ان حالات پر غور کیجئے جو بھارت کی طرف سے گذشتہ پچاس برس میں مسلسل اور پیہم پیدا کئے جا رہے ہیں اور جو اب اپنی انتہا تک پہنچ چکے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ پاکستان میں ہنوز' قرآنی نظام قائم نہیں ہوا لیکن اس خطہ کو حاصل ہی اس لئے کہا گیا ہے کہ یہاں نظام خداوندی قائم کیا جائے۔ یہی پاکستان کے مطالبہ کی بنیاد تھی اور اسی بنیاد پر ہمارے دعوے کی عمارت استوار ہوئی تھی۔ اسی کے لئے ہم نے اسے حاصل کیا تھا اور یہی ہمارا منتہیٰ و مقصود ہے۔ جس طرح ایک مقصد اور منتہیٰ کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح اس مقصد کے حصول کے ذرائع کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ ایک خطہ زمین ہے جسے "مسجد" بنانے کے لئے حاصل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خطہ زمین ہی محفوظ نہ رہے تو "مسجد" کہاں تعمیر ہو سکے گی۔ سرزمین پاکستان کی اس وقت مثال وہی ہے جو ہجرت نبوی ﷺ کے فوری بعد سرزمین مدینہ کی تھی کہ وہاں ہنوز نظام خداوندی متشکل نہیں ہوا تھا۔ لیکن وہ اس نظام کی تشکیل کا ذریعہ بننے والی تھی۔ لہذا ہماری بصیرت قرآنی کے مطابق سرزمین پاکستان کی حفاظت ہمارے لئے جزو ایمان ہے۔ ہندو نے پہلے دن سے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی۔ اور یہ اس کی مخالفت کے علی الرغم وجود میں آ گیا۔ وجود میں تو یہ آ گیا لیکن ہندو نے اسے دل سے کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کی شدید آرزو یہ ہے کہ (خدا نہ کردہ) اس کے جداگانہ "آزاد" وجود کو ختم کر کے اسے پھر سے بھارت کا جزو بنا لیا جائے۔ اس کے لئے وہ مسلسل مصروف کوشش ہے اور اب اس مسئلہ کو اس نے انتہا تک پہنچا دیا ہے' ایٹمی دھماکہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ ہماری حکومت کا کام ہے وہ حالات کے مطابق جو بھی فیصلہ کرے وہی درست ہو گا لیکن جنگی تیاریاں سے کوتاہ دامانی غفلت مجرمانہ ہو گی۔

یہ ہے وہ فریضہ جو موجودہ حالات میں ہم (اہل پاکستان) پر عائد ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اس فریضہ کی ادائیگی میں ذرا سی بھی کوتاہی کی تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ اسے بھی قرآن کریم کے الفاظ میں سن لیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب (8/25)

اس تباہی سے بچو کہ جب وہ آ جائے تو پھر انہی تک محدود نہیں رہا کرتی جنہوں نے ظلم اور زیادتی کی ہو۔ اس کے شعلے سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتے ہیں اور پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ؎

نہ کہ را منزلت باشد نہ مہ را

اور یہ خدا کے اس قانون مکافات کی رو سے ہوتا ہے' جس کا تعلق انسانوں کی ہیئت اجتماعیہ سے ہے۔ اور یہ قانون اپنی گرفت کے لحاظ سے بڑا شدید واقعہ ہوا ہے۔

حذرا اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

فطرت کا اٹل اصول۔ اس کی رو سے زندہ وہی رہ سکتا ہے جو مرنا جانتا ہے۔ اس کے بغیر انسان کا ہر دعویٰ باطل اور ہر اعتقاد جھوٹا ہوتا ہے۔

بے جرات زندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جسکا وہ عشق ید اللہی

ہمیں یقین ہے کہ وقت آنے پر ہم اس امتحان میں پورے اتریں گے۔ خوش بخت ہیں وہ افراد جنہیں ایسے مواقع میسر آ جائیں جن میں جنت انہیں پکار پکار کر بلا رہی ہو اور خدا کی رحمت ان کی طرف ہجوم کر کے آ رہی ہو۔

عليهم صلوت من ربهم و رحمة و اولئك هم المفلحون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رپوتاژ

بیاد اقبال

یہ بات اگرچہ زبان زد عام ہے کہ علامہ اقبالؒ نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کر دیا تھا مگر اس حقیقت سے شاید بہت کم لوگ آگاہ ہوں گے کہ اقبال نے جو کچھ سمجھا تھا وہ قرآن ہی سے سمجھا تھا اور ان کی شاعری سے مقصود یہی رہا کہ وہ قرآنی پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ کسی خاص نکتہ کے متعلق ان کی قرآن فہمی یا قرآنی استدلال سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس سے شاید کسی کو اختلاف نہ ہو کہ انہوں نے اپنی مسلسل سعی و کاوش اور سوز پیہم سے ہمارے دور کے ارباب فکر و نظر کا رخ قرآن کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ جن ہستیوں نے اقبال کے اس قرآنی پیغام کو صحیح طور پر سمجھا اور اسے پھیلایا ان میں علامہ غلام احمد پرویزؒ کا نام سر عنوان دکھائی دیتا ہے۔ وہ زندگی بھر اس فکر کی نشر و اشاعت اور اس پیغام کی تشریح و تفسیر میں مصروف رہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ کام ان کے شاگردان رشید نے اپنے ذمہ لے لیا سال رواں میں وابستگان فکر قرآنی کو وطن عزیز پر ادبار کی گھٹاؤں کا سایہ دکھائی دیا تو انہوں نے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے پیغام کے عملی پہلوؤں کو عوام کے سامنے لانے کے لئے سال 1998ء کو اقبال کا سال قرار دیکر جگہ جگہ مجالس اقبال منعقد کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ اقبال نے کہا تھا۔

اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بری ہے مستی اندیشہ ہائے افلاکی

ہمارے لئے ان اجتماعات کا واحد مقصد "زمین کے ہنگامے" سہل کرنے کی تدابیر سوچنا اور ہم نے اب تک انہی گوشوں کے متعلق قرآن کی تعلیم اور اقبال کے پیغام کو عام کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

21 اپریل 1998ء تحریک طلوع اسلام کے تمام مراکز کے لئے مصروف ترین دن تھا۔ ایک یادگار اجتماع لاہور میں بھی منعقد ہوا لیکن سرزمین کویت میں یوم اقبال جس تزک و احتشام اور جذب و عقیدت سے منایا گیا وہ اپنی نظیر آپ تھا۔ صدارت کے لئے ملک کے جہاندیدہ سیاست دان، دلعزیز قائد اور عوام کی بے لوث خادم جناب ملک معراج خالد صاحب بزم طلوع اسلام کویت کی دعوت پر لاہور سے تشریف لے گئے تھے۔ ان کا یہ ایثار علامہ اقبالؒ سے ان کی محبت اور عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مقررین میں اسلام آباد سے پروفیسر فتح محمد ملک اور کویت میں پاکستان کے سفیر جناب مشتاق احمد مہر صاحب کے علاوہ جناب عبدالرحمان ارائیں، محترمہ غزالہ شاہدؒ اور کئی دوسرے فدایان اقبال شامل تھے۔ خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے جناب بشیر احمد عابد صاحب نے مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا اور تحریک کے اغراض و مقاصد اور اس خصوصی تقریب کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔

تلاوت قرآن پاک اور کلام اقبال کے بعد فاضل مقررین یکے بعد دیگرے سٹیج پر تشریف لائے۔ سامعین کی بہت بڑی تعداد متانت اور سنجیدگی سے ہمہ تن گوش تھی۔ تاریخ کے اوراق پلٹتے ہوئے پروفیسر فتح محمد ملک صاحب نے

بیان کیا کہ شیطان نے جب یہ ٹھان لی کہ وہ اقبال کا کلام ملت اسلامیہ کی نگاہوں سے اوجھل کر دے گا تو علامہ غلام احمد پرویزؒ، خلیفہ عبدالحکیم اور عزیز احمد جیسے دانشوران قوم نے اپنی زندگیاں اقبال کا پیغام کو عام کرنے کے لئے وقف کر دیں اور قوم پر واضح کر دیا کہ جب تک سلطانی و ملائی و پیری جیسے انسان دشمن اداروں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک ہمارے ہاں اسلام کی صبح نہیں ہو گی۔ اپنی فی البدیع تقریر ختم کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے واشگاف الفاظ میں بتایا کہ ہماری تمام پریشانیوں، مصائب اور مشکلات کا حل یہ ہے کہ ہم اقبال کو سمجھیں اور قرآن کے پیغام پر عمل کرنا سیکھیں۔

جناب عبدالرحمان ارائیں صاحب نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں ملت کی کشتی میں خطرناک سوراخوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فکر اقبال کے اہم نقاط کو سامنے لائے محترمہ غزالہ شاہد نے اپنے مختصر مگر موثر خطابات میں اس دکھ کا اظہار کیا کہ اقبال کے مرد مومن میں تو قرآن جھلکتا تھا اور ثناخوان اقبال قرآن کے قاری بھی نہیں رہے۔ غزالہ صاحبہ کا کہنا ہے کہ اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ہماری نئی نسل فکر اقبال کی امین بنے تو ہمیں ان کی ذہنی تربیت پر بھی اتنا ہی زور دینا ہو گا جتنا ہم ان کی تعلیم پر دے رہے ہیں اور اس کے لئے اقبال کے مرد مومن کا ماڈل ہمیں خود بننا ہو گا۔

اور پھر صدر گرامی ملک معراج خالد صاحب تشریف لائے اور اپنے فی البدیع خطاب کا آغاز کیا۔ وہ سامعین جنہوں نے انہیں پہلی دفعہ سنا تھا ان کے تبحر علمی، رفعت فکر اور وسعت نگہی پر انگشت بدنداں نظر آئے۔ اپنے صدارتی تاثرات پیش کرتے ہوئے انہوں نے علامہ غلام احمد پرویزؒ سے اپنے گہرے مراسم اور طویل رفاقت کا ذکر کرتے ہوئے انکشاف فرمایا کہ معاشرے میں جو تھوڑی بہت اہمیت انہیں ملی ہے وہ پرویزؒ صاحب ہی کی صحبت کا فیضان ہے اور یہ کہ اقبال اگر مفسر قرآن ہے تو اس مفسر قرآن کو پیش کرنے میں جناب پرویز صاحب نے جو کام کیا ہے وہ کسی اور نے نہیں کیا۔ قوم کی زبوں حالی اور ملک میں پھیلی ہوئی بدامنی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے وضاحت مزید کی کہ پاکستان لا الہ الا اللہ تھا کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ فلاح انسان کا تصور سامنے لا کر ملکی وسائل تمام انسانوں کی زندگیاں سنوارنے کے لئے استعمال کئے جائیں۔ ہندوستان کی نئی حکومت کے عزائم اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ حالات ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں جو ہندو راج میں مسلمانوں کی فلاح کے خواب دیکھ رہے تھے۔ کویت میں مقیم مسلمانوں کے جذب و شوق کو سراہتے ہوئے انہوں نے توقع ظاہر کی کہ وہ مسلم دنیا میں پاکستان کے وقار اور فکر اقبال کی افادیت کو سربلند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیں گے۔

اقبال کی یاد میں منعقد کی گئی اس تقریب میں خطابات چونکہ فی البدیع تھے اس لئے ہم ان خطابات کو ویڈیو ٹیپ سے ریکارڈ کر کے قارئین تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ راقم اس تقریب میں موجود نہ تھا لیکن کویت سے موصول ہونے والی ویڈیو فلم دیکھ کر تقریب کے حسن و جمال کا اندازہ ہوا۔ سامعین سے بھرے پنڈال پر نگاہ ڈالنے سے مقررین کی تقاریر کا گہرا تاثر سننے والوں کے بشرے سے صاف عیاں ہے۔ یوم اقبال کے موقع پر اقبال کی یاد میں منعقد کی گئی اس تقریب کی کامیابی پر بزم کویت مبارک باد کی مستحق ہے۔

محمد لطیف چوہدری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاجی حبیب الرحمان

مسجد اقصیٰ

ماہنامہ طلوع اسلام کے شمارہ فروری 1998ء میں علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کا مضمون "قبلہ اول مسجد الحرام یا مسجد اقصیٰ" نظر سے گذرا۔ علامہ کا یہ مضمون بہت اہم موضوع پر تھا۔ مضمون نہایت مدلل اور امت مسلمہ کے لئے غور طلب ہے۔ چند سطور کا اضافہ میں بھی کرنا چاہتا ہوں تاکہ موضوع پوری طرح نکھر کر سامنے آجائے۔ میں 1961ء میں حج کے لئے سعودی عرب گیا تو چند تاریخی مقامات کی سیر کے لئے بھی نکل کھڑا ہوا۔ اہم مقامات جہاں میں اسلامی تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے جانا چاہتا تھا ان میں استنبول' دمشق' بغداد اور بیت المقدس تھے۔ میں نے ان مقامات پر موجود عجائب گھروں کا بغور مطالعہ کیا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسلامی دور کے ان ذخائر میں ایک تاریخ کے طالب علم کے لئے کیا مواد ہے اور کن Documents پر تحقیق ہو سکتی ہے۔ دیگر مقامات پر تو بعد میں کسی وقت بحث ہو گی اس وقت بیت المقدس کے متعلق چند حقائق آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

علامہ موصوف نے شروع میں ہی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ "اتنی وضاحت کے باوصف مسلمانوں کا باور کرنا کہ "ہیکل سلیمانی" بھی قبلہ اول رہا ہے کم از کم قرآن کا علم رکھنے والے کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا" دراصل مسلمانوں کے ذہن میں جو غلط فہمی ہے وہ قرآن کریم کی سورہ الرا کا مفہوم صحیح طرح نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے۔

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی" زیادہ تر مفسرین نے اس آیت کا اشارہ معراج کی طرف کیا ہے لیکن محترم پرویزؒ نے اسے ہجرت کی رات کا واقعہ بتایا ہے۔ میں جب بیت المقدس گیا تو وہاں تقریباً" ایک ہفتہ قیام کیا۔ اس وقت یہ شہر مسلمانوں کے تصرف میں تھا۔ میں ہر روز ایک نیا گائیڈ ساتھ لیتا تھا۔ ایک دن مسلمان' دوسرے دن عیسائی اور تیسرے دن یہودی۔ یہ تینوں رہنما اس بات پر متفق تھے کہ اسلامی لشکر نے جب بیت المقدس کا گھیراؤ کر لیا اور حکومت وقت کو یقین ہو گیا کہ اب یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے گا تو انہوں نے کشت خون کے لئے اسلامی افواج کے کمانڈر کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ کا خلیفہ بذات خود آجائے تو شہر کی چابیاں اس کے حوالے کر دی جائیں گی۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروقؓ امیر المومنین بذات خود ایک غلام کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک اونٹ مر گیا۔ اب امیر المومنین اور ان کا غلام باری باری ایک ہی اونٹ پر سواری کرتے بیت المقدس پہنچ گئے۔ جب قریب پہنچے تو اسلامی لشکر سے "اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہوئے۔ بیت المقدس کے شہری دیواروں پر جوق در جوق آ گئے کہ دیکھیں وہ امیر المومنین جس کے دبدبے سے پورا عالم کانپ رہا ہے کس شان اور کروفر سے آ رہا ہے۔ دیکھا تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ کہ اونٹ پر تو غلام سوار ہے اور نکیل امیر المومنین کے ہاتھ میں ہے۔ (کاش ہمارے حکمران اسی ایک مثال پر غور فرما لیتے) سیدنا عمر فاروقؓ شہر دیکھنے گئے اور جب اس مقام

پر پہنچے جہاں حضرت عیسیٰؑ، یوسف نجار اور حضرت مریمؑ کی قبریں ہیں اور ہال میں دنیا کا گلوب بنا ہوا ہے۔ (اس مقام کو عیسائی حضرات دنیا کا سنٹر مانتے ہیں۔) سیدنا عمرؓ یہ جگہ دیکھ رہے تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ کلیسا کے انچارج پادری نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ یہیں نماز ادا کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں نے اس جگہ نماز پڑھ لی تو یہ جگہ آپ کے تصرف سے نکل جائے گی اور آنے والا ہر مسلمان ظہر کی نماز اس جگہ ادا کرے گا۔ حضرت عمرؓ باہر نکل کر کھلے میدان میں آ گئے اور وہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ اس جگہ بعد میں مسجد تعمیر ہو گئی جسے مسجد عمر کہتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ (یا **قبة الصخرا**) ہی وہ جگہ تھی جس کا سورہ الاسرا میں ذکر ہوا ہے تو اسلامی لشکر نے ظہر کی نماز اسی جگہ کیوں نہ ادا کی۔ نماز کے لئے اس سے متبرک جگہ اور کونسی ہو سکتی تھی۔ روایات کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ معراج پر بھی اسی جگہ سے گئے تھے۔ لیکن نہ تو لشکر کے سپاہی وہاں نماز کیلئے گئے نہ ہی سیدنا عمر فاروقؓ نے اس جگہ نماز ادا کی۔

دوسری بات۔ مسجد اقصیٰ کی تعمیر 120 ہجری میں عبدالمالک کے زمانے میں ہوئی اور یہ سن تعمیر مسجد کے محراب پر لکھا ہوا ہے۔

تیسری بات۔ "قبلہ اول"۔ مسجد اقصیٰ کی سمت "قبلہ دوئم" کی طرف یعنی کعبۃ اللہ کی طرف ہے۔ تو ظاہر ہے عوام الناس کا یہ عقیدہ کہ قبلہ اول بیت المقدس (مسجد اقصیٰ یا **قبة الصخرا**) ہے، صحیح نہیں ہے۔

میں نے بیت المقدس سے دو کارڈ جس پر مسجد اقصیٰ کی تصویر سن تعمیر اور دوسرے پر **قبة الصخرا** کی تصویر اور دیگر متعلقہ کوائف ہیں۔ وہاں سے ٹکٹ لگا محترم پرویزؒ کو لاہور پوسٹ کئے۔ یہ واقعہ 1961ء کا ہے۔ اس کے بعد 1967ء کی جنگ میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ یہ تصاویر اس پرچے میں شامل اشاعت ہیں۔ قارئین کو حیرت ہو گی کہ مسجد اقصیٰ کے نام سے جو تصویر ہمارے ہاں اخبارات میں شائع ہوتی ہے وہ دراصل **قبة الصخرا** کی ہے۔ مسجد اقصیٰ اس سے الگ دوسری عمارت ہے۔ درمیان میں پرانے شہر کی تصویر ہے جس میں دونوں عمارتیں الگ الگ دکھائی دیتی ہیں اور مسجد عمران دونوں سے الگ ہے۔ مدیر

اور یوں بھی ہوا

باغبان ایسوسی ایشن مری نے پچھلے دنوں مضمون نویسی کے انعامی مقابلے کا اہتمام کیا۔ موضوع تھا۔

"سورۃ اخلاص کے حقائق اور اکیسویں صدی"

اس مقابلے میں کل تین مضامین موصول ہوئے جن میں ایک مضمون علامہ غلام احمد پرویزؒ کی کتاب مجلس اقبال کے صفحہ 479 تا 487 کے مندرجات پر مشتمل تھا جو کسی مضمون نگار نے نقل کر کے بھجوایا تھا۔ یہ مضامین 4 جج صاحبان نے پڑھے اور سب نے متفقہ طور پر پرویز صاحب کے مضمون کو اول انعام کا مستحق قرار دے دیا۔ منتظمین نے پوچھا ہے کہ انعام کی رقم کس کے نام بھجوائی جائے۔ ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ انعام کی یہ رقم مری میں کسی غریب طالب علم کو کتابیں خریدنے کے لئے دے دی جائے۔

قبة الصخرا جسے عموماً "مسجد اقصیٰ" سمجھ لیا جاتا ہے۔

بیت المقدس (پرانا شہر)

مسجد اقصیٰ اور **قبة الصخرا** الگ الگ دکھائی دے رہے ہیں۔ احاطے سے دور مسجد عمر بھی دکھائی دے رہی ہے۔

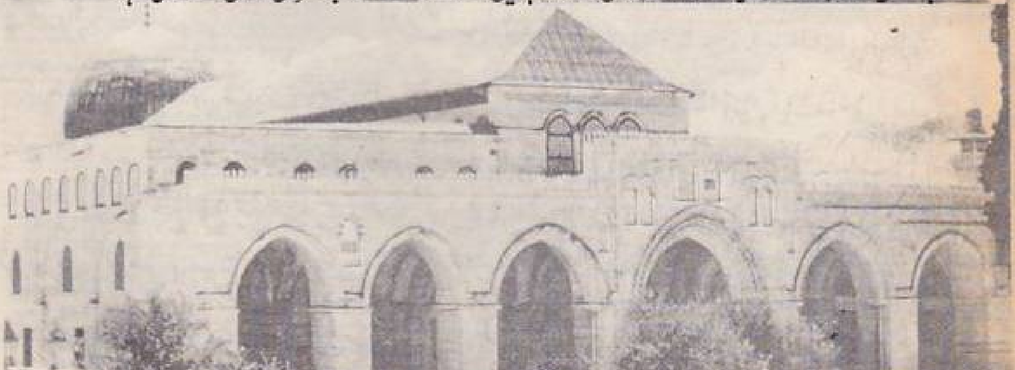

مسجد اقصیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ!

آپ میں سے اکثر احباب کو یہ عنوان کچھ عجیب سا دکھائی دے گا۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ عجیب ہوں گے وہ حقائق جو اس عنوان کے تابع آپ کے سامنے آئیں گے اور اس کے بعد، جب ان عجائبات پر پڑے ہوئے پردے اٹھیں گے، تو عجیب تر حقیقتیں بے نقاب ہوں گی۔ ہم صبح سے شام تک سینکڑوں الفاظ بلا تکلف بولتے اور بیسیوں اصطلاحات بلا تامل استعمال کرتے ہیں لیکن اگر ہم کبھی سوچنے بیٹھیں تو یہ عجیب حقیقت ہمارے سامنے آئے گی کہ ان میں سے بیشتر کا کوئی متعین مفہوم ہمارے ذہن میں نہیں ہوتا۔ اگر ان الفاظ و اصطلاحات کا دائرہ ہماری روزمرہ کی نجی زندگی تک محدود ہو تو اس سے کچھ زیادہ حرج واقع نہیں ہوتا لیکن جب ان کا تعلق زندگی کے اجتماعی مسائل سے ہو تو اس کے نتائج بڑے دور رس اور عواقب بڑے مضرت رساں ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ذرا اس حقیقت پر غور فرمائیے کہ آج، دنیا میں قریب نوے کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ ہم ساری دنیا کو سامنے نہ بھی رکھیں تو بھی صرف اس حصہ پاکستان میں قریب دس کروڑ مسلمان رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے لیکن اگر آپ ان میں سے کسی سے پوچھیں کہ مسلمان کہتے کسے ہیں تو اول تو وہ کوئی متعین جواب دے نہیں سکے گا، اور اگر کوئی جواب دے گا، تو ایک جواب دوسرے سے نہیں ملے گا۔ یہ عوام تک ہی محدود نہیں۔ اس میں، ہمارے مذہب کے اجارہ دار، علماء کرام بھی برابر کے شریک ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب 1953ء کے فسادات پنجاب کے سلسلہ میں تحقیقات کے لئے منیر کمیٹی قائم ہوئی ہے تو انہوں ملک کے بلندپایہ علماء سے یہی سوال پوچھا تھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں اکثر و بیشتر نے تو اتنا کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ یہ سوال ایسا نہیں جس کا جواب ارتجالاً" دیا جا سکے۔ اس کے لئے خاصا نوٹس چاہیے، اور جن حضرات نے جواب دیا ان میں سے کسی ایک کا جواب، دوسرے سے نہیں ملتا تھا، اس کے بعد ان علماء کی طرف سے یہ مطالبہ تو مسلسل ہوتا رہا کہ آئین میں یہ شق درج ہونی چاہیے کہ مملکت کے صدر کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے لیکن مسلمان کی تعریف (Definition) متعین کرنے سے ہر ایک گریز کرتا رہا۔ اس سال مرکزی اسمبلی کے ایوان میں پھر یہ سوال اٹھایا گیا تو اس کا جواب سارے ملک کے علماء کرام میں سے صرف ایک صاحب (شاہ احمد نورانی۔ رکن مرکزی اسمبلی) نے دیا، اور جو جواب انہوں نے دیا اس کی مخالفت چاروں طرف سے ہونی شروع ہو گئی۔ ممکن ہے آپ کہہ دیں کہ اس سوال کا جواب آسان ہے یعنی مسلمان اسے کہتے ہیں جو اسلام کا ماننے والا ہو۔ لیکن جب آپ سے پوچھا جائے کہ اسلام کسے کہتے ہیں تو آپ کے ذہن کی گاڑی پھر رک جائے گی۔ اس کا آپ کے پاس کوئی متعین جواب نہیں ہو گا کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ اس سے آپ، اندازہ لگائیے کہ یہ امر کس قدر باعث تعجب اور وجہ حیرت ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان متفقہ طور پر یہ بھی نہ بتا سکیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں اور مسلمان کی تعریف

کیا ہے! اور یہیں سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آجائے گی کہ مسلمانوں کی اس نوے کروڑ آبادی میں جو اس قدر تشتت و افتراق، اس قدر انتشار و خلفشار، اس قدر نزاعات و اختلافات، اس قدر فقدان وحدت و عدم اتحاد ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں فکری وحدت نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

ہم میں سے عوام نے (کہ جنہیں آپ جمہوریہ پاکستان یا امت کا گروہ عظیم و کثیر کہہ لیجئے) تو کبھی سوچا ہی نہیں کہ جب ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ لیکن جنہیں خواص (یا طبقہ علماء) کہا جاتا ہے انہوں نے بھی سوچا ہے تو ان کی سوچ ان کے اپنے فرقہ کے "چاہ زمزم" میں گھر کر رہ گئی ہے۔ یعنی وہ حضرات اتنا تو شاید بتا سکیں کہ سنی کسے کہتے ہیں اور شیعہ کسے، پھر سنیوں میں، اہل حدیث کسے کہتے ہیں اور اہل فقہ کسے، پھر اہل فقہ میں سے، حنفی کسے کہتے ہیں اور شافعی کسے، مالکی کسے کہتے ہیں اور حنبلی کسے، دیو بندی کسے کہتے ہیں اور بریلوی کسے، لیکن ان میں سے متعین طور پر کوئی نہیں بتا سکے گا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور اسلام کیا ہے؟

پروفیسر وھایٹ ہیڈ نے کہا ہے کہ اگر کسی پرابلم کو (Define) کر دیا جائے تو اس سے آدھا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آج کوئی صاحب درد، اس امت منتشرہ میں وحدت پیدا کرنے کے لئے اٹھے تو اس کے لئے سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہو گا کہ وہ اس اسلام کے بنیادی تصورات کا مفہوم متعین کرے جس کی طرف یہ امت اپنے آپ کو (لفظاً ہی سہی) منسوب کرتی ہے۔ اس کے سوا مسلمانوں میں وحدت تو ایک طرف اتحاد پیدا کرنے کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں۔ وحدت فکر وہ بنیاد ہے جس پر وحدت عمل کی عمارت استوار ہوتی ہے اور اسی وحدت فکر و عمل کا نام امت کی وحدت ہے۔ برادران گرامی قدر! میں قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کتاب عظیم کی روشنی میں، اپنی بصیرت کے مطابق اسلام کے بنیادی تصورات کا مفہوم متعین کرنے میں صرف کیا ہے اور میری اس کوشش کا ماحصل میری تصانیف کے اوراق میں محفوظ ہے۔ بالخصوص لغات القرآن میں۔ میں آج کی نشست میں آپ احباب کے سامنے، ان میں سے چند ایک اہم تصورات کا مفہوم پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق نہ کسی مذہبی فرقہ سے ہے نہ کسی سیاسی جماعت سے۔ اس لئے میرے پیش کردہ مفاہیم کی بنیاد قرآن کریم ہے، نہ کہ کسی خاص فرقہ کے معتقدات۔ اگر آپ احباب ان مفاہیم سے متفق ہوں تو ہوالمراد۔ لیکن اگر آپ کو ان سے اختلاف ہو، تو میں کسی کو مجبور نہیں کروں گا کہ وہ انہیں ضرور صحیح تسلیم کرے۔ لیکن اتنا پھر بھی کہوں گا کہ جب تک دین کے بنیادی تصورات کا متفق علیہ مفہوم متعین نہیں ہوتا، امت میں وحدت پیدا نہیں ہو سکتی۔ امتوں کی وحدت، ان افراد کے قلب و نظر کی ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

چیست ملت ایکہ گوئی لا الہ؟
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

اور یہ "باہزاراں چشم بودن یک نگاہ" اسی صورت میں ممکن ہے جب تمام افراد امت کے سامنے دین کے تصورات کا متفق علیہ متعین مفہوم ہو۔

ان تمہیدی گذارشات کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

1- اسلام

سب سے پہلے ہم اسلام کو لیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ کائنات کی ہر شے اس قانون کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ **لہ اسلم من فی السموت والارض** (3/82) اسی لفظ **اسلم**

سے اسلام ہے یعنی کسی کے سامنے جھکنا' سر تسلیم خم کرنا' دوسری جگہ اسے لفظ سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے جہاں کہا ہے کہ **وللہ یسجد من فی السموت والارض** (13/15) کائنات میں جو کچھ ہے قوانین خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ اشیائے کائنات کا اس طرح قوانین خداوندی کی اطاعت کرنا ان کے اختیار و ارادے سے نہیں انہیں اختیار و ارادہ دیا ہی نہیں گیا وہ ان کی اطاعت کے لئے مجبور ہیں انہیں ان قوانین کے خلاف مجال سرکشی نہیں یارائے سرتابی نہیں۔ سورہ نحل میں ہے **و للہ یسجد ما فی السموت وما فی الارض من دابۃ والملئکۃ وھم لا یستکبرون** ○ (16/49) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے۔ وہ جاندار اشیاء ہوں یا مظاہر فطرت۔۔۔ سب قوانین خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور ان سے کبھی سرکشی نہیں برتتے۔۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ **ویفعلون ما یومرون** (50/16) جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کئے جاتے ہیں۔ ان کی اس روش زندگی کو اسلام کہا گیا ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت۔ یکسر اطاعت۔ بلا کم و کاست اطاعت۔

2- الاسلام

اشیائے کائنات کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ سب کی سب' ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کئے جا رہی ہیں جو ان کے لئے تجویز کئے گئے ہیں کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں' لیکن انسان کو صاحب اختیار پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا جی چاہے تو ان قوانین کی اطاعت اختیار کر لے' اور جی چاہے ان کی خلاف ورزی کرے۔ ان قوانین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق انسان کی طبعی زندگی سے ہے۔ یہ وہی قوانین ہیں جن کا اطلاق دیگر حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ اگر انسان ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اس سے اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ تندرست و توانا رہتا ہے۔ اس کے طبعی جسم کی کیفیت خوشگوار ہو جاتی ہے لیکن اس میں شرف انسانیت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ قوانین فطرت کے دوسرے قوانین کی طرح' علوم سائنس کے ذریعے دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر قوانین صدیوں سے دریافت شدہ چلے آ رہے ہیں۔ باقی ایسے ہیں جن میں نئے نئے سائنٹفک انکشافات ہوتے رہتے ہیں۔

دوسری قسم کے قوانین وہ ہیں جن کا تعلق انسان کی ذات کی نشو و نما' اور اس کی تمدنی زندگی کے نظم و ضبط سے ہے۔ یہ قوانین اسے وحی کے ذریعے ملے ہیں اور اب قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ انسان کا ان قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا الاسلام کہلاتا ہے۔ طبعی زندگی سے متعلق قوانین کی اطاعت تو انفرادی طور پر کی جا سکتی ہے' اور کی جاتی ہے' لیکن ان قوانین الٰہی کا اتباع ایک نظام کے تابع ہی ممکن ہے۔ نظام کے لئے قرآن کریم میں دین کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ ہر نظام حیات کے لئے بولا جا سکتا ہے' لیکن جب الاسلام کو نظام حیات کے طور پر اختیار کیا جائے تو اس وقت یہ لفظ (Indefinite) سے (Definite) ہو جائے گا اور الدین کہلائے گا' اسی لئے قرآن میں ہے **ان الدین عند اللہ الاسلام** (3/18) الدین اللہ کے نزدیک' الاسلام ہی ہے دوسری جگہ اس کی وضاحت ان الفاظ سے کر دی کہ **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا" فلن یقبل منہ و ھو فی الاخرۃ من الخسرین** ○ (3/84) جو شخص الاسلام کے علاوہ کوئی اور دین (نظام حیات) تلاش اور اختیار کرے گا' تو میزان خداوندی میں وہ قابل قبول نہیں ہو گا' اور وہ دیکھ لے گا کہ آخر الامروہ کس قدر خسارے میں رہتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

وہ عالمگیر افسانے جنہیں حقیقت سمجھ لیا گیا

انسان ذہن بھی ایک عجیب طلسم ہوش ربا واقع ہوا ہے۔ آپ کسی بچے سے کوئی صحیح واقعہ بیان کریں وہ چند منٹوں میں اکتا جائے گا۔ لیکن وہی بچہ رات کو سونے سے پہلے، اپنی نانی اماں سے باصرار تقاضا کرے گا کہ اسے زمرد پری اور کالے دیو کی کہانی سنائے اور بتائے کہ شہزادہ ماہ رخ نے سلیمانی ٹوپی کہاں سے حاصل کی تھی۔ وہ اس کہانی کو، ہر شب، سونے سے پہلے، سنے گا اور کبھی نہیں اکتائے گا۔ لیکن یہی بچہ جب بڑا ہو جائے گا تو وہ جنوں اور پریوں کی کہانیوں کی طرف کبھی دھیان نہیں دے گا۔ وہ اب ان افسانوں میں کوئی لذت محسوس نہیں کرے گا۔

جس طرح ایک فرد کا ذہن، بچپن کے زمانہ میں، افسانوی کہانیوں میں جاذبیت محسوس کرتا ہے، اسی طرح نوع انسانی کا ذہن بھی، اپنے عہد طفولیت میں، حقائق کی جگہ افسانوں میں بڑی کشش پاتا تھا۔ لیکن ایک بچے کے ذہن اور نوع انسان کے عہد طفولیت کے ذہن میں، مماثلت یہیں تک ہے۔ اس سے آگے، ان دونوں میں ایسا بین فرق نظر آتا ہے جو حیرت انگیز بھی ہے اور غور طلب بھی۔ جب بچے کو، جوان ہونے پر معلوم ہو جائے کہ جن کہانیوں کو وہ حقیقت سمجھا کرتا تھا، وہ حقیقت نہیں، افسانے تھے، تو اس کے بعد وہ انہیں کبھی حقائق نہیں سمجھے گا۔ لیکن نوع انسان کے ذہن کی کیفیت یہ ہے کہ جن افسانوں کو وہ اپنے عہد طفولیت میں حقیقت سمجھا کرتا تھا، ان کے متعلق اسے بعد میں بتا دیا گیا، سمجھا دیا گیا ------ اور بار بار بتا اور سمجھا دیا گیا ----- کہ وہ افسانے تھے، حقائق نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود وہ انہیں حقائق ہی سمجھتا چلا جا رہا ہے اور ان کہانیوں کو آج بھی اسی جاذبیت سے سنتا ہے، جس جاذبیت سے اپنے بچپن کے زمانے میں سنا کرتا تھا، حتیٰ کہ اگر کوئی اس سے کہے کہ یہ حقیقتیں نہیں، افسانے ہیں، تو وہ اس کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جاتا ہے۔

میں آج کی نشست میں، چند ایک ایسے افسانوں کا ذکر کروں گا جو ساری دنیا میں عام ہیں، ہزاروں برس سے عام چلے آ رہے ہیں۔ اور یہ بتا دینے کے بعد بھی کہ یہ افسانے ہیں، حقیقتیں نہیں، انہیں برابر حقیقتیں سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ حقائق نہیں، افسانے ہیں تو اس کے خلاف یوں کہرام بپا دیا جاتا ہے گویا اس سے کسی سنگین ترین جرم کا ارتکاب ہو گیا ہو۔ آپ غور سے سنئے کہ وہ افسانے کیا ہیں۔

سب سے پہلا قدیم ترین افسانہ

آج ایک انسانی بچے کی پیدائش ایسا معمولی واقعہ بن چکی ہے کہ اس کے متعلق نہ کسی کو کوئی حیرت ہوتی ہے نہ استعجاب۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مرد اور عورت کے جنسی اختلاط سے استقرار حمل ہوتا ہے اور اس طرح ایک انسانی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سوال کہ سب سے پہلا انسان ---- یا انسانوں کا جوڑا ---- کس طرح وجود میں آ گیا، ایسا پیچیدہ اور مشکل ہے کہ ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں اس کا کوئی اطمینان بخش حل سوچ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے، اس نے (مجبوراً) ایک افسانہ وضع کیا جس سے

اس کا ذہنی خلجان دور ہو گیا۔ یہ افسانہ ہمیں، یہودیوں کی قدیم ترین مقدس کتاب، تورات میں ملتا ہے ----- واضح رہے کہ جو تورات اس وقت دنیا میں موجود ہے اور جس میں یہ افسانہ پایا جاتا ہے، وہ کتاب (یا کتابوں کا مجموعہ) وہ نہیں جو حضرات انبیاء کرامؑ کو، خدا کی طرف سے بذریعہ وحی عطا ہوئی تھیں۔ یہ تورات، انسانی تحریفات کا مرقع ہے اسی لئے اس میں اس قسم کے افسانے پائے جاتے ہیں۔

تخلیق آدم

اس میں لکھا ہے کہ خدا نے زمین، اس کی نباتات اور حیوانات پیدا کرنے کے بعد "اور خداوند نے زمین کی مٹی سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنے میں زندگی کا دم پھونکا۔ تو آدمی جیتی جان ہوا"

(کتاب پیدائش، باب دوم، آیت نمبر7)

یعنی خدا نے ایک مٹی کا پتلا بنا کر، اس میں جان ڈال دی۔ اس طرح دنیا میں سب سے پہلا انسان وجود میں آ گیا۔ لیکن تنہا ایک انسان سے تو کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس سے انسانی نسل وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس کے لئے عورت کی بھی ضرورت تھی۔ سو اس ضرورت کو یوں پورا کیا کہ:

"اور خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا ○ اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی، ایک عورت بنا کر، اسے آدم کے پاس لایا ○ اور آدم نے کہا کہ اب وہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اسی سبب سے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی۔"

(کتاب پیدائش، 2/21-23)

لیجئے، دنیا کے مشکل ترین مسئلہ کا حل مل گیا۔ جب ایک مرد اور ایک عورت وجود میں آ گئے، تو نسل انسانی کے آگے چلنے میں دشواری کیا باقی رہ گئی!

چونکہ یہ افسانہ دلچسپ بھی تھا اور ذہن انسانی کی ایک بہت بڑی الجھن کے دور کرنے کا موجب بھی، اس لئے یہ بڑا مقبول ہوا اور رفتہ رفتہ عالمگیر بن گیا۔ حتیٰ کہ اب یہ بتانا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ دوسرے اہل مذاہب نے اسے تورات سے مستعار لیا تھا یا (محرف) تورات کے افسانہ نگار نے اس کا پلاٹ کہیں اور سے اچک لیا تھا۔

قرآنی نظریہ

یہ افسانہ ساری دنیا میں عام اور مقبول ہو کر حقیقت کی شکل اختیار کر چکا تھا کہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل، عرب کی سرزمین میں، نبی آخرالزمان ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے، وحی کی زبان سے اعلان فرمایا کہ انسانی تخلیق کی ابتدا کا یہ تصور، ذہن انسانی کا تراشیدہ ہے۔ سب سے پہلے نہ کوئی ایک فرد مٹی سے بنایا گیا تھا، نہ اس کی پسلی سے عورت نکالی گئی تھی۔ نوع انسانی، سطح ارض پر زندگی کے سلسلہ ارتقاء کی اسکیم کے مطابق غیر ذی حیات مادہ (In-Organic Matter) اور پانی کے امتزاج (یعنی، قرآن کے الفاظ میں 'طین لازب') سے زندگی کا اولین جرثومہ (Life - Cell) ظہور میں آیا جو جوش نمو سے دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس کا ایک حصہ نر کی خصوصیات کا حامل تھا اور دوسرا مادہ کی۔ اس سے زندگی آگے بڑھنی شروع ہوئی اور جرثومات سے کیڑوں مکوڑوں کی شکل میں سامنے آئی۔ وہاں سے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی، آبی حیوانات اور پھر خشکی کے جانداروں کی صورت میں جلوہ پیرا ہوئی۔ اس سے آگے حیوانات کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا، پیکر انسانی میں نمودار ہو گیا۔ (میں نے، عزیزان من! اس مقام پر، قرآن کریم میں بیان کردہ، ارتقائے حیات کا ذکر محض اشارات میں کیا ہے۔ جو حضرات اس موضوع سے

دلچسپی رکھتے ہوں اور اس سلسلہ میں قرآنی تفصیلات دیکھنے کے متمنی' وہ میری کتاب ------- "ابلیس و آدم" ------ میں' آدم اور انسان سے متعلق ابواب ملاحظہ فرمالیں۔ ان میں' قرآن میں بیان کردہ نظریہ ارتقاء' پوری تفاصیل سے سامنے آجائے گا)۔

بہرحال' قرآن نے یہ نظریہ پیش کیا جس نے ارباب فکر و نظر کو دعوت تحقیق و تجسس دی' اور جوں جوں سائنٹفک انکشافات آگے بڑھتے گئے' وہ قرآنی نظریہ حیات کی زندہ شہادات بنتے گئے۔

قرآن کریم نے یہ کہا اور علمی تحقیقات نے اس کے دعویٰ کی اس طرح واشگاف طور پر تصدیق کردی' لیکن ذہن انسانی کا بچپن ہے کہ وہ اس حقیقت میں کوئی جاذبیت نہیں پاتا اور بدستور اس افسانہ کہن کو وجہ دل کشی بنائے ہوئے ہے۔ بلکہ' جیسا کہ ہر افسانے کے ساتھ ہوتا ہے' مرد زمانہ نے اس کے خاکہ میں طرح طرح کی رنگ آمیزیاں کردی ہیں۔ اور حیرت اندر حیرت' کہ یہ داستان گوئی اسی قوم کے لٹریچر کی باعث زینت بن رہی ہے جو قرآن مجید کو خدا کا کلام مانتی ہے اور قیامت بالائے قیامت کہ وہ ان افسانہ طرازیوں کو منسوب کرتی ہے (اور غلط منسوب کرتی ہے) اس ذات اقدس و اعظمؐ کی طرف سے جس نے دنیا کو علم و حقائق کی ایسی درخشندہ و تابناک شمع (قرآن) عطا کی۔ سنئے کہ ان کے ہاں یہ افسانہ کن الفاظ میں دہرایا جاتا ہے۔

تفسیری بیانات

ہمارے ہاں تفسیر ابن کثیر کو بڑا معتبر مانا جاتا ہے۔ اس میں تخلیق آدم کے سلسلہ میں پہلے یہ مذکور ہے کہ:

فرشتے بدھ کے دن پیدا ہوئے۔ جانور جمعرات کے دن اور آدم جمعہ کے دن

(اردو ترجمہ' پارہ اول' صفحہ 90)

آدم کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے۔

پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔ جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے۔ ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا کہ وہ بجتی مٹی تھی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو۔ پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے' اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا ----- پھر جب اللہ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی رہی خون' گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو وہ اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور جھٹ سے اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی اس لئے اٹھ نہ سکے ----- جب روح سارے جسم میں پہنچ گئی اور چھینک آئی تو کہا **الحمد لله رب العالمين** اللہ تعالیٰ نے جواب دیا **يرحمك الله**

(ایضاً" صفحہ 98)

آدم کی بیوی

یوں ان تفاسیر کی رو سے "(حضرت) آدم (علیہ السلام) " پیدا ہوئے۔ اس کے بعد' ان کی بیوی کی پیدائش کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "آپ تن تنہا تھے۔ (ایک دن) آپ پر نیند کا غلبہ ہوا تو آپ کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جاگ کر انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں"۔

(ایضاً" صفحہ 101)

عورت کے پسلی سے پیدا کئے جانے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

"صحیح حدیث میں ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے ٹیڑھی ہے۔ پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو چاہے گا تو توڑ دے گا۔ اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو تو بے شک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(پارہ چہارم' صفحہ 73)

رنگینیٔ داستان

یہاں تک افسانہ کچھ پھیکا پھیکا سا تھا۔ اب دیکھئے کہ اس میں رنگینیاں کس طرح پیدا کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"حضرت آدم (علیہ السلام) نے جب اس (عورت) کو چھونے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وحی کے ذریعے اللہ کا حکم پہنچا کہ آپ اس وقت تک اسے چھو نہیں سکتے جب تک اس کا مہر نہ ادا کر دیں۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اے پروردگار! اس کا مہر کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا مہر یہ ہے کہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر دس بار درود بھیجا جائے ...... حضرت آدمؑ نے دس مرتبہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر درود بھیجا اور ملائکہ کی شہادت کے ساتھ دونوں کے مابین نکاح قائم ہوا اور اس جمعہ کے آخری حصہ میں فرشتوں کو حکم ملا کہ یاقوت اور سچے موتیوں کے زیور اور لباس زینت سے حضرت حوا کو آراستہ کر کے دونوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے"۔

یہ تفصیل بیان کردہ ہے کراچی کے مولانا احتشام الحق صاحب کی جسے انہوں نے اپنے درس قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ---- اور ایک مولانا احتشام الحق صاحب پر ہی کیا موقوف ہے' یہ آپ کو ہر محراب و منبر سے سنائی دے گی۔ اور پھر عرض کروں کہ اس کی نسبت کی جائے گی حضور ذات رسالت مآب ﷺ کی طرف ---- یا للعجب!

❀❀❀❀❀

واضح رہے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ قصہ آدم' کسی ایک فرد یا ایک جوڑے کی داستان نہیں۔ آدم سے مراد آدمی ہے اور وہ خود انسان کی سرگزشت کا تمثیلی بیان ہے۔ قرآن کریم میں اس قصہ سے ہٹ کر صرف ایک مقام پر آدم کا لفظ آیا ہے جہاں کہا ہے کہ **ان اللہ اصطفی آدم و نوحا و ال ابراہیم و ال عمران علی العلمین** ○ 32/3 ہم نے آدم' نوح' آل ابراہیم اور آل عمران کو اقوام عالم میں سے برگزیدہ کیا۔ اس آیت میں اگر آدم سے مراد کوئی خاص فرد ہے اور وہ نبی تھے تو وہ یقیناً" وہ آدم نہیں ہو سکتے جن کا تمثیلی ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس لئے کہ ایک نبی کی شان سے بعید ہے کہ خدا اسے خاص طور پر تاکیداً" ایک کام سے منع کرے اور اس کے علی الرغم اس کی خلاف ورزی کرے اور یہ جرم ایسا جس کی پاداش میں اسے جنت سے نکال دیا جائے۔ کوئی نبی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا' میں نے جس افسانے کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق کسی نبی سے نہیں ہو سکتا۔

❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)

مسلمان' کون سا والا

قافلہ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لوگوں کا سیلاب تھا کہ پھر بھی امڈا چلا آتا تھا۔ مائیکروفون پر بہ آواز بلند عربی میں خطبہ جاری تھا۔ خطبے کو کوئی سمجھ نہیں رہا تھا لہٰذا لوگ آپس میں اپنی اپنی دانشوں کا تبادلہ کر رہے تھے۔ کسی کو مال کا غم تھا تو کسی کو جان کا دکھ۔ لوگ مسجد میں حاضر تھے مگر غیر حاضر تھے۔ حاضری لگوانے کی خاطر کچھ لوگ سنتیں یا نوافل پڑھنے کی کوشش بھی کر رہے تھے۔ ان میں سے کسی کسی کے سر پر ٹوپی نہیں تھی۔ ایک صاحب اچانک خلا سے نمودار ہوئے ان کے ہاتھ میں چٹائی کی بنی ہوئی دس بارہ ٹوپیاں تھیں۔ صفوں کے درمیان وہ صاحب ہوا کے جھونکے کی طرح پھر گئے۔ جہاں کوئی سر بغیر ٹوپی کے دکھائی دیا وہ چشم زدن میں اسے ٹوپی پہنا گئے۔ نیتیں بندھی ہوئی تھیں لہٰذا کسی نے اف نہ کی سوائے ایک نوجوان کے۔ اس نے بہ حالت قیام غصے میں ٹوپی اتاری اور اگلے چند لمحات میں ٹوپی والوں کے نزدیک بغیر ٹوپی نماز پڑھنے والا ہر شخص کافر ہو چکا تھا۔

صاحبو! پندرہویں صدی ہجری چل رہی ہے۔ مسلمان آج تک یہ نہیں طے کر پایا کہ "آمین" آہستہ کہنی چاہئے یا زور سے۔ تراویح میں آٹھ رکعتیں ہونی چاہئیں یا بیں۔ آدمی داڑھی کے بغیر اچھا مسلم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ داڑھی کی لمبائی کتنی ہونی چاہئے۔ پتلون پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ دھوتی مستحب ہے یا پاجامہ؟ وغیرہ وغیرہ! کچھ دن پہلے ایک صاحب نے امت مسلمہ کے اتحاد کا ذکر بڑے جوش و خروش سے کیا اور مسائل نظری سے بچنے کی تلقین فرمائی آئندہ جمعہ کی نماز میں وہی حضرت اس بات پر بہت مضطرب اور ناراض دیکھے گئے کہ ان کے ساتھ کھڑا ہونے والا نمازی "رفع یدین" ذرا مختلف کر گیا۔

صاحبو! عالم اسلام میں فرقہ بندی کا جو محشر برپا ہے ہماری عاجزانہ رائے میں اس محشر میں بھی فکری اتحاد کی راہیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ آیئے پہلے کچھ اصطلاحات پر توجہ کریں۔

1-... انسان کون؟ ہر وہ شخص جو غور و فکر کرتا ہے۔

2-... مسلمان کون؟ وہ جو قرآن حکیم کو بنی نوع انسان کے نام رب العالمین کا آخری پیغام سمجھتا ہے۔ (اتنی سادہ سی تعریف پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے اہل اسلام کو علم و فکر کی بے شمار دشواریاں پیش آتی ہیں)

3-... سنی کون؟ ہر وہ شخص جو مسلم ہے۔

4-... شیعہ کون؟ ہر وہ شخص جو مسلم ہے۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ ہم صرف پیدائشی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ بفضل خدا علیٰ وجہ البصیرت دین اسلام کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ کتاب حکیم نے اندھی تقلید سے بچنے کی یہاں تک تلقین فرمائی ہے

کہ خدا کی آیات پر بھی اندھے بہرے ہو کر نہ گرا جائے بلکہ غور و فکر کے بعد ان پر ایمان لایا جائے۔

(سورہ الفرقان (25/73)

یہ ہم سب کا فرض ہے کہ غور و فکر سے کام لے کر دین حق پر ایمان لائیں۔

اب دیکھئے کہ کون مسلم ہے جسے رحمت للعالمین ﷺ کی سنت عزیز نہ ہو اور کون مسلم ہے جسے اہل بیت نبوی ﷺ سے محبت نہ ہو۔ اس اعتبار سے اصولاً" ہر شیعہ کو سنی اور سنی کو شیعہ ہونا چاہئے۔

صاحبو! 10 محرم 61ھ کو جگر گوشہ رسول ﷺ نے اپنی جان و متاع عزیز اس لئے سپرد حق نہیں فرما دی تھی کہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے بلکہ اس لئے یہ عظیم قربانی پیش کی تھی کہ کہیں حق سرنگوں نہ ہو جائے اور اس لئے کہ رضائے الٰہی کا حصول ہی منتہائے زندگی ٹھہرے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہیں اسماعیلؑ

نواسہ رسول حسین ابن علی کسی فرقے سے کیسے تعلق رکھ سکتے تھے جبکہ......

○ .... قرآن حکیم میں فرقہ بندی کو شرک قرار دے دیا گیا ہے۔

○ .... خداوند ذوالجلال کا واضح فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جو لوگ فرقہ بندی کریں گے ان کا رسول ﷺ سے کوئی واسطہ نہ ہو گا۔

○ .... خدا کی کتاب مبین نے تمام صحابہ کرام کو "مومنین حقا" فرما دیا تھا اور یہ کہ "وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ ان سے راضی ہوا" لہٰذا حسین بن علی اصحاب رسول ﷺ سے وہی محبت و عقیدت رکھتے تھے جس کے بارے میں خداوند کریم نے خود شہادت دی ہے کہ ان کے دلوں میں باہم الفت و مودت پیدا کر دی گئی ہے۔

امام حسین ؓ کی جدوجہد ظاہر ہے کسی فرقے کی سربلندی کے لئے ہرگز نہیں تھی۔ اصولوں کی کامرانی کی خاطر تھی۔ راہ حق ہمیشہ کٹھن ہوتی ہے۔ عالم اسلام کے لئے ہی نہیں پوری دنیا کے لئے نظام خلافت رحمت خداوندی تھا۔ امام حسین بخوبی جانتے تھے کہ اسلام میں اگر ملوکیت آ گئی تو بنی نوع انسان خلافت کی نعمت سے محروم ہو جائے گی۔ امام حسین ؓ نے نہ صرف اس حقیقت کو پہچانا بلکہ ایسے آہنی ارادے کے ساتھ اس پر قائم ہو گئے کہ مقام شبیری ایک حقیقت ابدی بن گیا....

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اب سوال اٹھتا ہے کہ اگر مقام شبیری حقیقت ابدی ہے اور شبیر ؓ کو ہر شخص اپنا سمجھتا ہے تو شیعہ سنی فرقے کیسے وجود میں آ گئے؟ جواب یہ ہے کہ یہ اختلافات تاریخ نے پیدا کئے۔ قائداعظمؒ سے جب ان کا فرقہ دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے فرما دیا تھا۔ "آپ پہلے مجھے یہ بتائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کون سے فرقے کا پرچار کیا تھا؟ ہم نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے روایتی 72 یا 73 فرقے وجود میں آ چکے ہیں۔ ہمیں تعداد کا صحیح علم نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ ہر فرقہ خود کو "ناجی" یا نجات یافتہ تصور کرتا ہے۔ اس پر مزید ستم یہ کہ مسلمانوں کے تمام فرقے قرآن کی پیروی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کا تو دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں لہٰذا ان فرقوں کا باہم اختلاف یہ بات ثابت کرتا ہے کہ تاریخ اور روایت مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کی بنیاد ہیں۔

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

صاحبو! کیا آپ جانتے ہیں کہ سب سے پہلی تاریخ اسلام (بلکہ مسلمانوں کی تاریخ) تیسری صدی ہجری کے

آخر میں لکھی گئی۔ جی ہاں! ہجرت کا پہلا سال مبارک 620ء ٹھہرتا ہے اور مسلمانوں کی پہلی تاریخ لکھے جانے کے سال ہیں 900 صدی عیسوی کے آس پاس۔

اب توجہ فرمایئے اور یاد رکھئے کہ قرآن حکیم ہم سے فکر و تدبر کا تقاضا کرتا ہے۔ تقریباً تین سو برس بعد لکھی گئی تاریخ یہ کہہ دے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جنگ جمل برپا ہوئی تھی جس میں دونوں جانب کے دس ہزار افراد مارے گئے تھے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین ہوئی تھی جس میں طرفین کے ستر ہزار افراد مارے گئے تھے تو کیا یہ بات قابل یقین نظر آتی ہے؟ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں قرآن "مومنین حقا" اور "رضی اللہ عنہم" فرماتا ہے اور انہیں بھائی بھائی قرار دیتا ہے کیا یوں ایک دوسرے کا خون بہا سکتے تھے! یہ بھی سوچئے کیا باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن طالب کی نگاہ پاک کے سامنے یہ خون مقدس یوں بہہ سکتا تھا؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی زبردست خانہ جنگیوں کے باوجود عرب کے بے سرو ساماں صحرا نشین دنیا کی سپر پاورز کو تس نہس کرتے چلے جاتے؟ غور کیجئے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حقیقت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ "جمل"، "صفین" اور کربلا کے واقعات شیعہ تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں تو نوٹ کر لیجئے کہ اولین شیعہ تاریخ لکھنے والے امام کلینی کی وفات 329ھ میں ہوئی تھی۔ اس بات سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کی بہت سی تاریخ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس دور کے بادشاہوں نے لکھوائی ہے۔ جو برسراقتدار ہوتا مورخین اور راویوں سے اپنے مطلب کی تاریخ اور روایات لکھوا لیتا۔ رفتہ رفتہ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرآن کا حتمی علم ان روایات کے تابع ہو کر رہ گیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ مسلمان ہوں تو بات مکمل نہیں ہوتی۔ پوچھنا پڑتا ہے کہ بھائی تو کون سا مسلمان ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

(بشکریہ فیملی میگزین)

***

لائف ممبر شپ مجلہ طلوع اسلام

پاکستان میں	1,500/=
یورپ۔ مڈل ایسٹ	8,000/=
امریکہ۔ آسٹریلیا کینیڈا	10,000/=

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالد محمود سید (الریاض سعودی عرب)

صدر مملکت کا حج (6 اپریل 1998ء)

معلوم ہوا ہے کہ اس سال صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فریضہ حج بیت اللہ ادا کیا ہے۔ الحمد للہ کہ وہ ایک نہایت اہم ذمہ داری سے فارغ ہوئے۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بہت بہت مبارک ہو۔

مگر سوال یہ ہے کہ:

کیا اس سے پہلے وہ حج کر چکے ہیں؟

اس سوال کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ اگر جی ہاں' تو انہیں دوبارہ سعادت حاصل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ (جبکہ عام فریضہ زندگی میں ایک بار ہی کا ہے)؟

اگر جی نہیں' تو انہوں نے یہ فریضہ اپنی ذاتی حیثیت میں ادا کیا یا صدر پاکستان کی حیثیت سے؟ الحمد للہ' وہ کہہ چکے ہیں کہ اس سفر کے اخراجات انہوں نے اپنی جیب سے ادا کئے ہیں۔ لیکن ان کے حواریوں کے اخراجات کس نے برداشت کئے؟

کیا قوم کو یہ جاننے کا حق نہیں کہ اس سفر کے اخراجات میں سے قومی خزانے کا کتنا حصہ تھا؟ اور کس حق سے تھا؟

وہ صدر مملکت ہیں اور عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے جانشین۔ کیا روح عمر رضی اللہ عنہ کے تتبع میں انہوں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ مملکت کے ہر شہری کو جان' مال' آبرو کا تحفظ حاصل ہے؟ کیا انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تتبع میں یہ سفر اسی طرح کیا جس طرح پاکستان کا ایک عام مسلمان مزدور شہری کرتا ہے؟

ہمیں یہ سوالات کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مملکت خداداد پاکستان کو اس سے پہلے ایسا سربراہ نصیب نہیں ہوا جو خیالات کے ساتھ ساتھ وضع قطع میں بھی اتنا اسلامی ہو! ان سے بہتر کون جانے گا کہ سربراہ مملکت کے لئے وضع قطع سے زیادہ کردار کا اسلامی ہونا ضروری ہے؟ ان سے بہتر کون جانے گا کہ:

1- حج کا لفظ اپنے مادہ (ح ج ج) اور قرآنی استعمال کے لحاظ سے ایک ایسے سفر کا قصد ہے جہاں دلائل و براہین سے معاملات پر غور کیا جائے اور یہ اجتماع ہر ایک کے لئے نہیں ہے (سورۃ البقرہ - 196' 195)

2- یہ دعوت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے (سورۃ الحج - 45)' (سورۃ آل عمران - 96)

3- تاکہ وہ اس نظام کی خوبیاں اور انسانوں کے لئے فوائد خود دیکھ لیں (سورۃ الحج - 48)

4- اس موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ مہمانوں اور میزبانوں کی خوراک کے لئے تحائف (الہدی) ہیں۔ (سورۃ البقرہ: 196) کسی جانور (دنبے وغیرہ) کا ذکر قرآن میں موجود نہیں اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے منسوب افسانوی قصے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ استعاراتی ہے' واقعاتی نہیں:

تب' جب (وہ بیٹا) بالغ ہو کر اس کے ساتھ کام (کرنے) والا ہوا تو اس نے کہا:

"اے فرزند! (میرے اس خدائی پروگرام کی آئندہ

کڑی کا) نظارہ یہ ہے کہ میں تجھے ذبح (کرنے کے برابر تکلیف دہ حالات کے سامنے) کر دوں۔ اس باب میں تمہاری کیا رائے ہے؟" (اس بالغ نظر اور خودمختار لڑکے نے) کہا: "اے بابا! (چونکہ میں آپ کے اس پروگرام کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں اس لئے لازم ہے کہ) آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ خدا کی مرضی (اور قانون) کے مطابق آپ مجھے پر استقامت اور پرہمت پائیں گے۔" تب' جب ان دونوں نے (ہماری مشیت کے مطابق طے کردہ منصوبہ کے آگے) سر تسلیم خم کر دیا اور اس (ابراہیمؑ) نے اس (اسماعیلؑ) کی (ہدایات اور احکام سے گویا ہمارے قانون کے آگے) جبیں جھکا دی (اور اپنا کام پورا کر دیا) تب ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیمؑ! (تم اب سمجھو کہ خدائی پروگرام کا) تمہارا خواب (گویا ابھی سے) پورا ہو چکا ---- (چونکہ تم نے تجویز کردہ راستے پر قدم بڑھا دیئے ہیں اب سمجھو کہ منزل مل گئی) ہم اسی طرح کے تقاضے کرتے ہیں ان سے جو (انسانوں اور ان کی زندگی پر) احسان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے امتحان کی ایک واضح مثال تھی اور یقیناً" ہم نے (ابراہیمؑ سے) ایک عظیم قربانی کا مطالبہ کیا تھا----!

(الصافات: 104-108)

5- اس ذبح عظیم کے پروگرام کی پہلی کڑی اللہ کے گھر (یعنی اس خدائی پروگرام کے مرکز) کی تعمیر تھی' جو نادان انسانوں کے کفرستان میں پہلا مرکز توحید تھا۔ (سورۃ آل عمران: 96)

6- اسی لئے کہا کہ یہ جانور کھانے پینے کے لئے ہیں۔ (سورۃ الحج: 36)

7- ان کے ذبح ہونے کی جگہ صرف کعبہ (مکہ) ہی ہے (سورۃ الحج: 33) اور

8- ان کا گوشت پوست اللہ تک نہیں پہنچتا۔ اس تک انسانوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (سورۃ الحج: 38)

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیئرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیئرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ، ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷

فیکس نمبر:- ۲۴۱۹۷۸۲

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد سلیم ساقی

قادیانیوں کی منطق اور طرز استدلال

(گذشتہ سے پیوستہ)

2- کچھ تو سمجھو......

مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مسلمانان عالم میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مرزا صاحب کو دال گلتے نظر نہ آئی تو کہنے لگے۔

"تو پھر مجھے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ (نبی) کو دوسرے پیرائے میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ "نبی" کے محدث" کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ "نبی" کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔

(تبلیغ رسالت جلد دوئم صفحہ 95)

کیا شان ہے اس Compromising نبی کی! نبی نہ سہی "محدث" ہی سمجھ لو، جیسے نبی اور محدث ہم معنی الفاظ ہیں!

●●●

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روایات میں ہے کہ آپ دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ سے زمین پر اتریں گے۔ مرزا قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے پوچھا ہو گا کہ حضور آپ تو قادیان (ضلع گورداسپور) انڈیا سے باہر گئے ہی نہیں، آپ دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ سے زمین پر کیسے اترے؟ ان کے جواب کا تو ہمیں علم نہ ہو سکا لیکن ان کے متبعین کا کہنا ہے کہ یہ درست ہے کہ مرزا صاحب دمشق نہ جا سکے، تاہم ان کی وفات کے 16 سال بعد ان کے صاحبزادے 1924ء میں دمشق گئے تھے جس سے مرزا قادیانی کے جامع مسجد کے مشرقی منارہ سے نازل ہونے کی شرط پوری ہو گئی۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا قادیانی سچے اور پکے مسیح موعود ہیں۔

(اخبار الفضل قادیان جلد 15 نمبر 83 مورخہ 20 اپریل 1928ء)

طلوع اسلام۔ اس تکلف کی بھی ضرورت نہ تھی۔ منارہ تو قادیان میں بھی موجود تھا۔ باپ کا کام بیٹا کر سکتا ہے تو قادیاں کے منارہ کو دمشق کی مسجد کا منارہ سمجھ لینے میں کونسی قباحت تھی۔

●●●

مرزا قادیانی کے اپنے الہام کے مطابق ان کی عمر 74 اور 84 سال بتائی گئی ہے۔ لوگوں نے حساب لگایا تو اُن کی کل عمر 68 یا 69 سال بنی۔ قادیانیوں کے مقتدر عالم مولوی عبدالرحیم درد کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے مرزا بشیراحمد پسر مرزا قادیانی کو لکھا کہ۔

"مرزا صاحب کے سن پیدائش کا مسئلہ طے ہونا چاہئے اور 1836ء یا 1837ء ہونا چاہئے۔ مرزا صاحب کے الہام میں ان کی عمر 74 یا 84 سال بیان ہوئی ہے اگر سن ہجری کے حساب سے ان کی عمر 74 یا 84 سال ثابت کر دی جائے تو

الہام سچا ثابت ہو گا چنانچہ ان کا سن پیدائش 1834ء اور 1836ء کے درمیان ثابت کر دیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔"

(سیرت المہدی جلد سوئم صفحہ 88-187 مصنفہ مرزا بشیر احمد قادیانی)

بیانات در اقرار ختم نبوت

مرزا قادیانی کہتے ہیں۔

I- "قرآن شریف میں ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا شرارت ہے۔ حدیث لا نبی بعدی میں نفی عام ہے"۔

(حوالہ "ایام الصلح"۔ ص 146- مصنفہ مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی خاتم النبیین" کی حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

II- "قرآن کریم بعد "خاتم النبیین" کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا ہو یا پرانا کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور اب نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو"۔

("ازالہ اوہام"۔ ص 761، مصنفہ مرزا قادیانی)

III- "رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ نبی دینی علوم کو بذریعہ جبرئیل حاصل کرے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے"۔

("ازالہ اوہام" ص - 614)

IV- "اور اللہ کی شایان شان نہیں کہ "خاتم النبیین" کے بعد نبی بھیجے اور نہ یہ شایان شان ہے کہ سلسلہ نبوت دوبارہ از سر نو شروع کر دے بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو"۔

("ختم نبوت" ص - 17)

پھر پلٹا کھایا اور لکھا:

بیانات در انکار ختم نبوت

I- "جو شخص میرے دعوٰی (نبوت) کی تصدیق نہیں کرتا، مجھے قبول نہیں کرتا وہ رنڈیوں (کنجریوں) کی اولاد ہے"۔

("آئینہ کمالات اسلام- ص 548 - مصنفہ مرزا قادیانی)

II- "مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے۔ جو شخص مرزا کو نبی نہیں مانتا وہ کافر اور جہنمی ہے"

("انجام آتھم" ص، 62 مصنفہ مرزا قادیانی)

III- "یہ کلام جو میں سناتا ہوں قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام (وحی) ہے جیسا کہ قرآن اور تورات خدا کا کلام ہے"۔

("تحفۃ الندوہ"۔ ص - 4، مصنفہ مرزا قادیانی)

IV- "مرزا غلام احمد کے مخالف جنگلوں کے خنزیر اور ان کی عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں"

("نجم الہدیٰ"۔ ص: 10- مصنفہ مرزا قادیانی)

اس کا بیٹا محمود احمد خلیفہ ثانی لکھتا ہے:

V- "یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے"۔

("حقیقۃ النبوۃ"۔ ص: 228 - مصنفہ مرزا محمود احمد)

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر فتح محمد ملک

اقبالؒ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز!

بزم طلوع اسلام کویت کے اجتماع میں جناب پروفیسر فتح محمد ملک صاحب کی فی البدیع تقریر بسلسلہ یوم اقبالؒ منعقدہ اپریل 1998ء جسے ٹیپ سے ریکارڈ کیا گیا۔ مدیر

صدر گرامی ملک معراج خالد صاحب اور حاضرین اکرام!

میں جناب عبدالرحمٰن ارائیں اور ان کے ساتھیوں کا انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس تقریب سعید میں شرکت کی دعوت دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وطن سے دور بیٹھ کر آپ فکر اقبالؒ کے حوالے سے اور طلوع اسلام تحریک کی نسبت سے جس طرح اسلام اور پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں وہ مجھ جیسے اسلام اور پاکستان کے ادنیٰ طالب علموں کے لئے سرچشمہ فیضان ہے۔ جب میں اس ہال میں داخل ہوا اور میری نظر اس شعر پر پڑی جو اس بینر (Banner) کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

اقبالؒ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

تو مجھے بہت خوشی ہوئی اور حیرت بھی! میں بزم طلوع اسلام کے کارپردازان کے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس تقریب اور فکر اقبالؒ کی نسبت سے ایک انتہائی موزوں شعر کا انتخاب کیا ہے۔

حاضرین کرام! یہ شعر جس نظم کا آخری شعر ہے وہ 1936ء میں لکھی گئی تھی اور اس کا عنوان ہے "ابلیس کا پیغام اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" اس میں دو اور شعر ایسے ہیں جو میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ دنیائے اسلام اور خاص طور پر پاکستان میں آجکل جو ہو رہا ہے وہ اس کی طرف بڑی عمدگی کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً اس نظم کا ایک شعر ہے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

آج پاکستان کے اندر جس طرح نظریہ پاکستان کو ایک سیکولر آئیڈیالوجی سے تبدیل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اس پر مجھے رہ رہ کے یہ شعر یاد آتا ہے۔ اقبالؒ ایسے مفکر اور مسلمان تھے کہ جن کی علمی، فکری، اور عملی دلچسپیاں صرف ہندوستان کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام اور تمام دنیائے انسانیت کے لئے تھیں۔ اس لئے اس نظم کا ایک اور شعر پیش کرتا ہوں جو اس خطے کے لئے، جہاں ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں، بھی بہت اہمیت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے۔

فکر عرب کو دے کے فرنگی خیالات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

جہاں تک خالص ادب و حکمت اور شعر و فلسفہ کا تعلق ہے تو اقبالؒ عہد جدید کا تنہا شاعر ہے کہ جس نے شیطان کے سیاسی کردار کو بے نقاب کیا اور کئی نظمیں لکھیں۔ پیرائے بدل بدل کے بتایا کہ شیطان سیاست کی دنیا میں کس طرح گمراہ کرتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی سیاست یا سیاستدانوں کی شیطنت پر اقبالؒ نے جس انداز سے لکھا ہے اسے ہمیں ہر لمحہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس محفل میں مجھ سے پہلے مقررین

نے چند بڑے خوبصورت مقالات پیش کئے ہیں۔ جب میں یہ مقالات سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہر مقالہ نگار بڑی درد مندی سے یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے پچھلے پچاس برس سے پاکستان میں اقبالؒ کے پیغام پر عمل نہیں کیا ہے' تو مجھے پھر شیطان کا وہ سیاسی کردار نظر آ رہا تھا جو اقبالؒ کی مختلف نظموں اور سیاسی و فلسفیانہ تحریروں میں مذکور ہے۔ جب ملت اسلامیہ میں ایک کثیر تعداد آپ جیسے درد مند لوگوں کی موجود ہے جو یہ چاہتی ہے کہ اقبالؒ کے پیغام پر عمل ہونا چاہئے' لیکن نہیں ہو رہا تو پھر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ نظم 1936ء میں کہی گئی تھی۔ غلام احمد پرویز' خلیفہ عبدالحکیم' اور عزیز احمد ان دانشوروں میں سے تھے جنہوں نے یہ ٹھانی کہ اچھا اگر شیطان کا پیغام یہ ہے کہ اقبالؒ کو ملت اسلامیہ سے غائب کر دیا جائے اور ملت اسلامیہ ان کے پیغام کو فراموش کر دے تو ہم اقبالؒ کے پیغام کو عام کرنے میں ساری زندگیاں وقف کر دیں گے۔ گذشتہ پچاس' ساٹھ سال سے طلوع اسلام کی کوششیں ایک طرف اور آپ لوگوں کی درد مندی دوسری طرف۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اقبالؒ کا پیغام' ان کی فکر کا فیضان نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں کہیں نظر نہیں آتا؟ اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ملکوں کے حکمران طبقے پیغام اقبالؒ سے خائف ہیں! کیونکہ اقبالؒ کا پیغام فکر و عمل کی فضیلت کا پیغام ہے۔ انسان کی آزادی اور منفعت کا پیغام ہے۔

اقبالؒ عمر بھر ایک اضطراب مسلسل میں مبتلا رہے کہ مسلمان عقائد و رسومات میں الجھ کر عمل کی قوت سے محروم ہو گیا ہے۔ اس کی فکر و نظر محدود ہو کر رہ گئی ہے اور وہ کاروان انسانیت سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ ان کا یہ بہت ہی مشہور شعر ہے۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

ان کی نگاہ میں اسلام کی اصل حقیقت اور رسومات میں اس قدر وسیع خلیج پیدا ہو گئی ہے کہ اب اسے عبور کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے بھری پڑی ہیں لیکن ان کے کردار پر ان کی نمازوں کا کچھ اثر نہیں پڑ رہا جبکہ عبادات اور معاملات کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسا تلوار اور میان کا ہوتا ہے۔ میان اس لئے ہوتی ہے کہ تلوار کی حفاظت کرے۔ میان اگر عبادت ہے تو تلوار عمل' مسلمان کی عبادات اور عمل کا باہمی تعلق ایسے رہ گیا ہے جیسے میان موجود ہو اور تلوار غائب۔

عشق کی تیغ جگردار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ پہ ہے خالی میان سب کی

پوری دنیائے اسلام کا یہی حال ہے۔ نماز' روزہ' قربانی اور حج یہ سب تو باقی ہیں' لیکن مسلمان باقی نہیں! اسلام باقی نہیں! اقبالؒ کے اسلام کا جو تصور ہے اور مسلمان معاشروں میں جو مروجہ اسلام ہے' اس میں اتنا فرق ہے کہ اسے بیان کرنا اقبال کے علاوہ مشکل ہے۔ فرماتے ہیں۔

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
یہ مذہب مردان خدا آگاہ' و حق آگاہ
وہ مذہب ملا و نباتات و جمادات

پچھلے جمعہ مسجد میں بڑی گلوگیر آواز میں دعائیں مانگی گئیں۔ اللہ کشمیر کو آزاد کر دے! اللہ فلسطین کو آزاد کر دے! اللہ نہیں کرتا! کیوں نہیں کرتا! اس لئے کہ ہوائیں ان کی' فضائیں ان کی' سمندر ان کے' جہاز ان کے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ نماز پڑھ لی' سارے ارکان اسلام کی پیروی کر لی' اور دعا مانگ لی تو دنیائے اسلام کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اقبالؒ کو ہمارے اس مرض کا احساس تھا اور وہ بڑی دلسوزی کے ساتھ اس پر غور کرتے رہتے۔ وہ ہمیں بتاتے رہے کہ مسلمان کے زوال کا سبب یہ ہے کہ ہم نے تلوار چھوڑ دی اور خالی میان کو اسلام سمجھ

بیٹھے۔ ہم نے چھلکا اٹھا لیا اور مغز کو گلنے سڑنے دیا۔ اپنے دکھ کو وہ مختلف پیرائے بدل بدل کر بیان کرتے رہے۔ ایک نظم پیش کرتا ہوں جس کا پیرایہ بہت ہی عجیب ہے۔ خدا کے سامنے ہمارا اعمال نامہ رکھا ہے اور وہ ہم سے پوچھ رہا ہے۔

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے
کھویا گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند تیرا نشتر تحقیق
کیوں ہوتے نہیں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
مہر و ماہ انجم نہیں محکوم تیرے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

اس سے معلوم ہوا کہ جو کمی ہے جوہر ادراک کی کمی ہے۔ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں نہایت خوبصورتی سے اسلام کا مفہوم بیان کیا ہے۔ صرف ایک فقرہ ملاحظہ ہو:

The Birth of Islam is the right of Inductive - Intellect!

اسلام کی پیدائش۔ دراصل عقل کی پیدائش ہے!
اگر اسلام کی پیدائش عقل کی پیدائش ہے، سائنسی فکر کی پیدائش ہے تو خدا یہی پوچھ رہا ہے کہ اسلام کیسے چھوڑ دیا۔ تسخیر کائنات کے کام کو کیوں پس پشت ڈال دیا؟

یہ سارے سوالات کر لینے کے بعد آخر میں اللہ میاں خود ہی بتا دیتے ہیں کہ زوال کے اسباب کیا ہیں۔

باقی نہ رہی وہ تیری آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطانی و ملائی و پیری

تو یہ تین ادارے ہیں جنھوں نے قرون اول سے لے کر آج تک مسلمان کو ترقی کرنے نہیں دی اور اس کے زوال کا سبب ہیں۔ ان تین اداروں سلطانی و ملائی و پیری سے انہیں شدید نفرت تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے نظم کے علاوہ نثر میں بھی کیا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندوستان ٹائمز میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کچھ مضامین لکھے۔ ان کے جواب میں اقبالؒ نے بھی تین چار مضامین لکھے تھے۔ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے وہ بالکل دوٹوک انداز میں فرماتے ہیں کہ یہ جو ہمارے سلاطین ہیں وہ کسی کی کوئی فکر نہیں رکھتے۔ نہ خدا کی نہ انسان کی! انہیں بس ایک ہی فکر لاحق ہے کہ کس طرح ان کا تخت و تاج محفوظ رہے۔ اور یہ اپنی موروثی سلطنت کو بچانے کے لئے 'اسلام' خدا سب کو بیچ دینے پر آمادہ ہیں۔ ملا کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب

کتاب کا مطلب قرآن ہے۔ کہ جس طرح پیدائشی اندھا یہ نہیں جانتا کہ سورج کی روشنی کیا ہے اسی طرح ہمارے دینی مدرسوں میں اور ہمارا ملا جو وہاں بیٹھا ہوا ہے اسے پتہ نہیں کہ قرآن حکیم کیا چیز ہے؟ اقبالؒ کے نزدیک ملا کا ادارہ سلاطین کا پیدا کردہ ہے۔ یہ ادارہ انہوں نے اپنی بداعمالیوں کے لئے جواز مہیا کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ یہ فتویٰ حاصل کرنے کے لئے کہ بادشاہ سلامت کی جو مرضی ہے وہ درست ہے۔ بنو امیہ سے پہلے کوئی ملا نہیں تھا۔ جب کوئی سلطان نہیں تھا تو سلطان کے دربار میں شیخ الاسلام بھی کوئی نہیں تھا۔ اس لیے ملا کا جب بھی ذکر آتا ہے تو اقبالؒ جیسے شائستہ انسان کا خون بھی کھولنے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ملا کیا ہے۔

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گر

شائستہ سے شائستہ ترجمہ جو ہرزہ گر کا ہو سکتا ہے۔ وہ بکواسی ہے۔ اور ملا کرتا کیا ہے؟ سب سے بڑا گناہ! سلطان کی شہنشائیت کو جواز فراہم کرتا ہے۔

فتنہ ملت بیضا ہے، امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے

یہ ہے وہ جو ملا کرتا چلا آ رہا ہے۔ یہی حال پیر کا ہے۔
پیر بھی لوگوں کو توہمات کی طرف لے جا رہا ہے۔ یہ تین ادارے اب تک قائم ہیں اور پاکستان کی تقدیر پر مسلط

ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پاکستان اقبالؒ کی شاعری کا جغرافیائی ظہور ہے۔ پاکستان کی یہ ساری جیوگرافیکل وحدت اقبالؒ کی اسلامی انقلابی شاعری میں سے نکلی ہے۔ اس لئے اگر ہم مانتے ہیں کہ یہ اقبالؒ کی شاعری کی پیدا کردہ ہے تو پھر اسے مضبوط کرنے کے لئے فکر اقبالؒ پر عمل کرنا ہو گا۔ اب تک ہم نے اس کے برعکس کیا ہے۔ اقبالؒ کے تصور اسلام میں جاگیرداری نہیں لیکن بدقسمتی سے جاگیردار ہماری سیاست پر چھایا ہوا ہے۔ اقبالؒ کے تصور اسلام میں ملا کا وجود نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم ملا کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھاتے۔ پاکستان کا مطلب کیا ہے۔ **لا الہ الا اللہ** یہ اقبالؒ سے پوچھنا چاہئے تھا' لیکن ہم علماء سے پوچھتے ہیں جبکہ حقیقت اتنی سادہ ہے کہ میرے گاؤں کا گڈریا بھی جانتا ہے کہ 1947ء سے پہلے جن دینی جماعتوں کے تصور اسلام میں پاکستان کی گنجائش ہی نہیں تھی وہ ازروئے اسلام سمجھتے تھے کہ پاکستان بننا ہی نہیں چاہئے' کانگریس کے ساتھ مل کر اکھنڈ بھارت میں رہنا چاہئے' اسلام اسی میں سربلند ہو گا تو اگر پاکستان بننے کے بعد ان سے کہا جائے کہ آپ اسلام کا اپنا تصور یہاں نافذ کریں تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ یہ ہو گا کہ پاکستان ختم ہو جائے گا کیونکہ ان کے تصور اسلام میں تو پاکستان کا وجود ہی نہیں ہے۔ لا الہ کا مطلب ان لوگوں سے پوچھئے کہ جنہوں نے کہا تھا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو **لا الہ الا اللہ** کہنے والے مٹ جائیں گے۔ ان سے نہ پوچھئے جو نہرو کے سیکولر اکھنڈ بھارت میں اسلام کو محفوظ سمجھتے تھے۔ بیشتر دینی جماعتیں کہتی تھیں کہ اگر مسلمان کو مٹنے سے بچانا ہے تو ہندو کے ساتھ مل جاؤ' اسلام کو اپنی سیاست سے باہر نکال دو۔ سیاسی طور پر ہم ہندوستانی ہیں اور دینی طور پر مسلمان۔ اقبالؒ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس طرح اسلام مٹ جائے گا۔ آج اگر ہم اسلام کا سیاسی نصب العین ترک کر دیتے ہیں تو کل وہ وقت آئے گا کہ ہم اسلام کا دینی نصب العین بھی خود بخود ترک کر دیں گے۔

اقبالؒ نے لا الہ کا جو تصور دیا ہے وہ توحید کا تصور ہے۔ توحید کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان تخت و تاج کا وفادار نہیں خدا کا وفادار ہے۔ اور خدا کی وفاداری کا عملی مفہوم یہ ہے کہ وہ خلق خدا کی مجموعی بہبود کا وفادار ہے۔ توحید کا یہ تصور انسانوں میں اخوت' مساوات اور آزادی کا احساس پیدا کرتا ہے اور چونکہ یہ چیز ہمارے حکمرانوں کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے بات کو الجھانے کے لئے وہ درمیان میں دینی علماء کو لے آتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں کہ لا الہ کا مطلب کیا ہے؟ اقبالؒ کو یہ آہستہ آہستہ نصاب تعلیم سے بھی خارج کر رہے ہیں۔ لہٰذا' اقبالؒ کے شیدائیوں کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئی ہیں۔ ان عناصر کی نشاندہی کرنی چاہئے جنہوں نے ہمیں فکر اقبالؒ سے محروم رکھا ہے اور ان سے گلو خلاصی حاصل کرنی چاہئے۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس چیلنج کا ایک جواب علامہ غلام احمد پرویزؒ نے دیا انہوں نے کہا کہ جب تک یہ ادارے سلطانی و ملائی و پیری ختم نہیں ہوتے اسلام کی صبح نہیں ہو گی۔ اسلام کیسے طلوع ہو گا اس کے لئے بھی اقبالؒ نے ہمیں سب کچھ بتا رکھا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنی مشہور نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ میں جو پیرایہ اختیار کیا ہے وہ نہایت دلنشین ہے۔ یہ نظم 1936ء میں لکھی گئی تھی اور اس میں بھی شیطان کے سیاسی کردار کا ذکر آتا ہے۔ شیطان نے مجلس لگائی ہوئی ہے اور اس کے ایجنٹ چھوٹے چھوٹے شیطان جو اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں' وہ آتے ہیں اور باری باری اپنی رپورٹیں پیش کرتے جاتے ہیں۔ ہر رپورٹ پر تبصرہ ہوتا ہے اور سب رپورٹوں کا ملخص یہ ہے کہ اس وقت اشتراکیت کا نظام شیطانی نظام کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ سب کانپتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے میرے آقا! سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔ تو آقا اپنے اختتامی خطبے میں فرماتا ہے۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ تمہیں نہیں پتہ یہ سب تو

میرے بنائے ہوئے مہرے ہیں۔ ہمارے نظام کو اگر خطرہ ہے تو وہ اسلام سے ہے۔

مزدکیت فتنہ فردا نہیں' اسلام ہے!

لیکن پھر انہیں سمجھاتا ہے کہ فی الحال اسلام سے ڈرنے کی ایسی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ۔

صوفی و ملا' ملوکیت کے بندے ہیں تمام۔ جب تک صوفی و ملا کا اسلام زندہ ہے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ اصل خطرہ اس اسلام سے ہے جس کی طرف حالات بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ اقبالؒ نے اسے یوں پیش کیا ہے۔

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
آشکارا ہو نہ جائے شرح پیغمبر کہیں

اگر وہ ہو گیا تو پھر کیا۔

الحذر! آئین پیغمبر سے سو بار الحذر!

شریعت محمدی ﷺ سے شیطان پناہ مانگتا ہے۔ کیوں؟

حافظ ناموس زن' مرد آزما' مرد آفریں

اور۔

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقان نے فقیر راہ نشین

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب!
بادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمین

شرع پیغمبر کیا کرتی ہے۔

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو بناتا ہے مال و دولت کا امین

تو پھر کیا کیا جائے۔ یہ چیلنج اشتراکیت نہیں اسلام ہے۔ صوفی و ملا میرے بندے ہیں۔ مسلمان سو رہا ہے۔ لیکن اگر بیدار ہو گیا تو پھر کیا ہو گا۔ اس کے لئے شیطان ایک سٹرٹیجی بتاتا ہے۔

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

اسے الہیات کے مسائل میں الجھائے رکھو۔ یہ اسی میں الجھا رہے کہ۔ ابن مریم مرگیا یا زندہ جاوید ہے۔ صفات حق' حق سے جدا ہیں یا عین حق! آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے یا مجدد! کلام اللہ کے الفاظ حارث ہیں یا قدیم! امت مرحومہ کی کس عقیدے میں نجات ہے! اس طرح کے نظری مسائل میں مسلمانوں کو الجھائے رکھو اور اسے عالم کردار کی طرف نہ آنے دو۔ اسے سویا رہنے دو۔ اگر جاگ پڑا تو میرا نظام شیطانیت خطرے میں پڑ جائے گا۔

جو بات اقبالؒ نے 1936ء میں کہی تھی وہی بات عہد جدید میں کہی جا رہی ہے۔ حال ہی میں برنارڈلین کی کتاب چھپی ہے۔ "اسلام اور مغربی دنیا"! اس کتاب میں سارے اندیشے بیان کرنے کے بعد آخر میں اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے کہ خیر ہے۔ دنیائے اسلام ابھی سو رہی ہے اس میں بیداری کے آثار کہیں نظر نہیں آتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقبالؒ اگر آج زندہ ہوتے تو انہیں شیطان کی اس کامیابی پر کوئی افسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی نظر میں شاعری کے چمن سے' فلسفے کے مرغزار سے' سیاست و تدبر کے میدانوں سے اقبالؒ کا غائب ہو جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ان کے لئے تو امت مسلمہ اہمیت رکھتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ امت اسلام کی اعلیٰ اقدار کو اپنا کر تہذیب حاضر کے قافلہ کی سالار بن جائے اور انسانیت کو جو لاحق امراض ہیں' جو درپیش مسائل ہیں' ان سے نجات مل سکے۔ اب ہمارے لئے سوچنے کی یہ بات ہے کہ ہم اپنی نسلوں کو ابلیس کے اس فرمان پر عمل کرنے کا موقعہ فراہم کریں گے یا علامہ اقبالؒ کی فکر سے کام لیتے ہوئے' شاہین اقبالؒ طلوع اسلام جیسے جریدوں' پرویز صاحب' خلیفہ عبدالحکیم صاحب اور عزیز صاحب جیسے مفکرین کے تصورات کی روشنی میں اقبالؒ کو سمجھیں گے اور

اقبالؒ کے تصورات کی روشنی میں اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں جو چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل پورے دینی نظام کو دور حاضر کے علوم کی روشنی میں سمجھنے کی راہ اختیار کرتی ہے یا ابھی ابلیس کے تعویذ سے سوئے رہنا چاہتی ہے؟

اس وقت ہم نے جو راستہ اختیار کر رکھا ہے وہ یقیناً ہمیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔ ٹھیک ہے، بعض قومیں تباہی کا راستہ بھی خوشی خوشی چن لیا کرتی ہیں۔ ہم سے پہلے بھی کئی قومیں مٹ چکیں ہم بھی مٹ جائیں گے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مٹنا خطرناک بات ہے۔ ہمارے لئے، دنیائے اسلام اور دنیائے انسانیت کے لئے تو پھر سوچنا ہو گا۔ اس وقت دنیائے اسلام کو جو مسائل درپیش ہیں وہ حکمران طبقے کی وجہ سے ہیں۔ جب تک یہ طبقہ موجود ہے، ہمارے مصائب ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ مصائب کا حل نہیں، سرچشمہ ہیں، یہ مصائب انہی کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ ان مصائب کا حصہ ہیں۔ جب تک انہیں ختم نہیں کیا جائے گا۔ ہم کلام اقبالؒ بھی گاتے رہیں گے، اس طرح کی محفلیں بھی سجاتے رہیں گے۔ آپ جیسے ذہین مقالہ نگار بھی ہمیں جھنجھوڑتے رہیں گے اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔

اب میں اپنی معروضات کو شاہ ولی اللہ کے ایک قول پر ختم کرنا چاہوں گا۔ ان کا زمانہ بھی زوال کا زمانہ تھا اور لوگ اسی طرح کرتے تھے جس طرح آج کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، قربانی و حج سب باقی ہیں تو باقی نہیں! قرآن سے فالیں نکالتے، جھاڑ پھونک کرتے اور اسی طرح کے اور معجزے بیان کرتے۔ اس وقت آپ نے کہا تھا کہ قرآن کا کوئی معجزہ نہیں۔ قرآن کا معجزہ اس کا پیغام ہے۔ جو اس پر عمل کرے گا وہ معجزے دکھائے گا۔ قرآن تتبع میں اقبالؒ کا پیغام بھی معجزہ ہے۔ موجودہ تمام پریشانیوں، مصائب و مشکلات کا حل یہ ہے کہ ہم اقبالؒ کو سمجھیں اور قرآن کے پیغام پر عمل کرنا سیکھیں۔

⚬⚬⚬⚬⚬⚬⚬

ختم نبوت فنڈ کا قیام

طلوع اسلام عقیدہ ختم نبوت کو دین کی اصل اور اسلام کی اساس سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ختم نبوت کا اعلان دراصل نوع انسان کی آزادی کا اعلان ہے۔ انسانی اختیار و ارادہ پر جس قدر پابندیاں عاید کرنی مقصود تھیں ان سب کی صراحت قرآن مجید میں کر دی گئی ہے۔ اور اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ یہ ضمانت نوع انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے کیونکہ اس کی رو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

علامہ غلام احمد پرویز نے اپنی معرکہ آرا تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں اس موضوع پر نہایت مدلل اور پر مغز بحث کی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ادارہ طلوع اسلام نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت کر کے مفت تقسیم کیا جائے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں اور دوسرے یہ کہ عقیدہ ختم نبوت سے متعلق طلوع اسلام کے نقطہ نظر کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کی وضاحت ہو جائے۔ اس کام کے لئے بہت ساری رقم درکار ہے جو کہ تحریک طلوع اسلام کی مالی استطاعت سے باہر ہے۔ لہذا، ختم نبوت کے نام سے فنڈ قائم کیا گیا ہے اور طلوع اسلام کے تمام کرم فرماؤں سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں تاکہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سر انجام دیا جا سکے۔ آپ اپنے عطیات ادارہ طلوع اسلام یا طلوع [illegible] ختم نبوت فنڈ کے اکاؤنٹ میں بھجوائیں۔ تحریک آپ کے تعاون کے لئے ممنون رہے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسز غزالہ شاہد

اقبال اور ہم

کویت میں یوم اقبال کے موقع پر کی گئی تقریر کی تلخیص

ہم پاکستانی نہ صرف علامہ اقبالؒ کو جانتے ہیں بلکہ ان سے بے پناہ عقیدت بھی رکھتے ہیں۔ حکیم الامت، مفکر اسلام، شاعر مشرق اور مصور پاکستان سب اسی ہستی کے نام ہیں۔ ہم میں سے اکثر وہ ہیں۔ جنہیں علامہ اقبال کے بیسیوں اشعار زبانی یاد ہوں گے لیکن ہماری یہ لگن ان کے اشعار سے لطف اندوز ہونے تک محدود ہے۔ ہم میں سے بہت کم لوگوں کو احساس ہے کہ علامہ اقبالؒ صدیوں بعد پیدا ہونے والے وہ پہلے مفکر ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو دین اور مذہب کا فرق سمجھایا اور نفاذ دین کے لئے ایک الگ مملکت کے حصول کی راہ دکھائی۔

ہم پچھلے پچاس سال سے یوم اقبال منا رہے ہیں۔ ہمارے مغنی برسہا برس سے علامہ اقبالؒ کے نغمے الاپ رہے ہیں لیکن علامہ اقبالؒ کی پیش کردہ قرآنی فکر کو ہم نے نہ خود اپنانے کا سوچا ہے نہ ان کی فکر کو نئی نسل تک پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ ہم نے اپنی نئی نسل کو نہ خودداری اور خود سری کا فرق بتایا ہے نہ عشق اور جنوں میں تفاوت ان پر واضح کی ہے۔ ہم نے اپنی نژاد نو کو یہ جتایا ہی نہیں کہ اقبال کا مرد کامل اس لئے مومن نہیں کہ وہ اپنے نام سے پہلے محمد لکھتا ہے یا پانچ وقت نماز پڑھتا ہے بلکہ وہ اس لئے مرد مومن ہے کہ وہ اپنی زندگی قوانین الٰہی کے تحت بسر کرتا ہے اور یہ قوانین قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔ کاش ہم نے اقبالؒ کے منظوم کلام کو آسان لفظوں میں منتقل کر کے تعلیمی نصاب میں شامل کر لیا ہوتا اور کاش ہم اتنا سوچتے کہ اقبالؒ کے مرد مومن میں تو قرآن جھلکتا ہے اور ہم ہیں کہ قرآن کے قاری بھی نہیں رہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہم کاسہ گدائی لئے ہر کس و ناکس کی چوکھٹ پر دستک دے رہے ہیں اور ہماری نئی نسل اپنا قومی تشخص کھو رہی ہے۔ میری گذارش ہے کہ اب بھی وقت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ جس طریق سے بھی ممکن ہو علامہ اقبالؒ کی پیش کردہ قرآنی فکر کو اپنی اور اپنی اولاد کی بقاء سلامتی کے لئے مشعل راہ بنائیں۔ یاد رکھیں ہماری نئی نسل نہ دیواروں پر شاہین کے بڑے بڑے مجسمے سجانے سے شاہین بن سکے گی نہ ہمارے نوجوان الماریوں میں اقبال کے دیوان سجا لینے سے کردار کے غازی بن سکیں گے اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ہماری نئی نسل فکر اقبال کی امین بنے تو ان کی ذہنی تربیت پر بھی اتنا ہی زور دینا ہو گا جتنا زور ان کی تعلیم پر دیا جاتا ہے اور اس کے لئے ہمیں خود ماڈل بننا ہو گا ورنہ اپنے سامنے مرد مومن کا ماڈل نہ پا کر ہمارے بچے وہ کچھ کبھی نہ بن پائیں گے جو ہم انہیں بنانا چاہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الہ الا اللہ اقبالؒ کی نظر میں!

بزم طلوع اسلام کویت کے اجتماع میں جناب ملک معراج خالد صاحب کی فی البدیع تقریر بسلسلہ یوم اقبالؒ اپریل 1998ء جسے ٹیپ سے ریکارڈ کیا گیا۔ مدیر

محترم جناب عبدالرحمن ارائیں صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام کویت، ممبران بزم، خواتین و حضرات اور عزیز بچو!

میں جانتا ہوں کہ وطن سے باہر آ کر آپ خواتین و حضرات وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور چونکہ اس پروگرام کو دس بجے ختم ہو جانا ہے جس کے بعد آپ کو دعوت طعام ہے لہٰذا اسے مد نظر رکھتے ہوئے اختصار سے کام لینے پر مجبور ہوں۔ میں نے جناب عبدالرحمن صاحب اور دیگر دوستوں سے عرض کیا تھا کہ کویت آنے سے قبل باہر ممالک سے کئی دعوت نامے موصول ہوئے کہ میں وہاں جا کے اہل وطن کو پاکستان کے مسائل کے بارے میں آگاہ کروں لیکن میں اجتناب کرتا رہا اور اجتناب کرنے کی بڑی بنیادی وجوہ تھیں۔ بزم طلوع اسلام کی طرف سے اقبالؒ کے بارے میں اس تقریب کا انعقاد ایسا تھا جو میری زندگی بھر کی خواہشوں، ارادوں اور جو میں کوششیں کرتا رہا ہوں اس کی تفسیر تھا اس لئے میں اس کا انکار نہ کر سکا۔

آپ کے سامنے میرے محترم بھائی پروفیسر فتح محمد ملک صاحب نے برصغیر کی تاریخ کے حوالے سے کلام اقبالؒ کی بدولت ہمیں جو کچھ حاصل ہوا اور اب جو اس کی حالت ہے اس کو بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پاکستان کا مطلب **لا الہ الا اللہ** تھا اور اقبالؒ نے بھی یہی کہا تھا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

ملک صاحب نے فرمایا کہ لا الہ اللہ اللہ کے تقاضے اب تک پورے نہ کئے جا سکے۔ پاکستان بننے کے فوری بعد جو لوگ اقتدار پر قابض ہوئے ان میں یہ صلاحیت ہی نہ تھی کہ وہ لا الہ الا اللہ کے تقاضے پورے کر سکتے۔ یہ سب سلطانی و ملائی و پیری کے بندے تھے اور ملک صاحب نے اپنے خطاب میں ان کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ میرے نزدیک اقبالؒ کا جو سب سے بڑا کارنامہ ہے، جو کارنامہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا، وہ یہ کہ اس نے انسان کو فکر و نظر کے لحاظ سے جگایا تاکہ وہ ظالم اور مستبد قوتوں سے چھٹکارا پا لے۔ میری یہ خوش قسمتی ہے کہ میں نے اس سارے دور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس وقت برصغیر میں مسلمانوں کی جو حالت تھی اور وہ جن تضادات میں مبتلا تھے وہ سب ہماری نگاہوں کے سامنے گذر رہا تھا۔ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی اور وہ ہر طرف سے مایوسی کا شکار ہو گئے تھے۔ اس حالت میں اقبالؒ نے انہیں جھنجھوڑا اور انہیں آفاقی نظر عطا کر کے انسانیت کا نظریہ دیا۔ 23 مارچ 1940ء سے پہلے مسلم معاشرے کی حالت ویسی ہی تھی جیسی آج کل پاکستان کے اندر ہے۔ ہم اسی طرح اسلام کی بنیادی تعلیمات کی مکمل نفی کرتے ہوئے غیر انسانی تعصبات میں مبتلا تھے۔ ہماری کوئی وحدت نہ تھی۔ ہم فرقوں، نسلوں، زبانوں اور علاقوں میں

بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ ہماری کوئی حقیقت باقی نہ رہی تھی۔ ہندو معاشرے کے غلبے سے مسلمانوں میں تضادات بڑھ رہے تھے۔ ان حالات میں اقبالؒ سامنے آیا۔ مسلمانوں میں کچھ بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے قائداعظمؒ کی قیادت میں اپنے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کر دیا۔ اس مشترک نصب العین نے ان میں وحدت پیدا کی اور اس کے نتیجے میں یہ اپنے لئے ایک آزاد وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن افسوس کہ وطن بننے کے فوری بعد وہ تمام تعصبات اور اونچ نیچ' فرقہ' ذات' برادری کے امتیازات پھر سے حصول اقتدار کا ذریعہ بن گئے اور اقتدار برائے اقتدار کی نہ ختم ہونے والی کشمکش شروع ہو گئی۔ یہ ان لوگوں کی طرف سے شروع ہوئی جو نام نہاد شرفاء کہلاتے ہیں اور جن کی بداعمالیوں کی وجہ سے غیر ملکی سات سمندر پار سے آکر ہندوستان پر قابض ہو گئے تھے۔ بالکل وہی عناصر پاکستان بننے کے ساتھ ہی پاکستان کی قسمت کے مالک بن گئے۔ ان کے وہی طور طریقے تھے۔ وہی خواہشیں' وہی ارادے اور وہی کردار تھا۔ چنانچہ ان کے لئے لازمی ہو گیا کہ سلطانی و ملائی و پیری میں معاشرتی روابط اسی طرح برقرار رہیں۔ نتیجہ یہ کہ ملک میں نہ سیاسی لحاظ سے کوئی تبدیلی رونما ہوئی نہ معاشرتی لحاظ سے اصلاح ہوئی۔ کہا گیا کہ اصل حکمران عوام ہیں لیکن عملی طور پر انہیں ان کے حق حکمرانی سے محروم رکھا گیا اور وہ آج تک محروم ہیں۔ پارلیمنٹ اور حکومت میں وہی لوگ آتے ہیں جو نسل در نسل چلے آ رہے ہیں۔

اگر پاکستان میں اقبالؒ کی آفاقی فکر کے مطابق معاشرہ تشکیل پذیر ہوتا تو اس سے کیا کیا برکات و فیوض نازل ہوتے اس کا ذکر چھوڑیئے' کم از کم یہ پریشانیاں جو ہمیں لاحق ہیں یہ نہ ہوتیں۔ ملک کے حالات بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس وقت ملک کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کیا وہ اسلام کی مختلف تشریحات و تعبیرات ہی کی بنا پر نہیں ہو رہا؟ اگر ہم بالکل غیر جانبدار ہو کر فیصلہ کریں تو اس خطہ میں بسنے والے ہم جو اکثریت میں مسلمان ہیں کیا انسان کہلانے کے بھی مستحق ہیں؟ اتنی بے دردی اور وسیع پیمانے پر لوگوں کا قتل و غارت ہو رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ آپ کی مرضی کے مطابق عبادت نہیں کرتے۔ آپ کی منشاء اور آپ کے تصور کے مطابق رب کو ماننے کا اقرار نہیں کرتے۔ ساری تاریخ عالم اور سارے واقعات عالم کو سامنے رکھئے۔ کیا دنیا کے کسی ملک میں ایسا ہوتا ہے؟ اس کے بعد ہم کس طرح دنیا بھر کی اقوام سے سربلند کر کے بات کر سکتے ہیں؟ یہ بجاطور پر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو یہ پریشانیاں لاحق نہ ہوتیں۔ ہم اس حد تک اللہ تعالیٰ کی بنیادی سچائیوں کے نافرمانبردار نہ ہوتے۔ سیاسی اور اقتصادی پریشانیوں کو جانے دیں' حالات تو اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ کسی بھی شہری کی جان' مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں رہی اور جس سرزمین کے باشندوں میں احساس تحفظ ہی باقی نہ رہے تو اس کے بارے میں کوئی کیا فیصلہ کرے گا؟ جب آپ وطن واپس جاتے ہیں۔ کسٹم' پولیس اور ہر کوئی آپ کو ستاتا ہے اور ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ گھر پہنچنے سے پہلے لوٹ لئے گئے یا قتل کر دیئے گئے۔ یہ صرف آپ لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مجھ جیسا آدمی بھی جب گھر سے نکلتا ہے تو جانتا ہے کہ اگر کسی نے لوٹ لیا یا اغوا کر لیا تو کوئی پرسان حال نہیں ہو گا۔ اس سے زیادہ بڑا جہنم اور کیا ہو گا؟ اس سے زیادہ بڑا عذاب اور کون سا نازل ہو سکتا ہے' اس نافرمانی کے نتیجے کے طور پر جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے۔ ان اذیت ناک واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے غلط ہے۔ جب تک ہم **لا الٰہ** پر عمل پیرا نہیں ہوں گے ہم **الا اللہ** کی طرف قدم نہیں بڑھا سکیں گے۔

اگر ہم نے اس سرزمین کو واقعی اسلام کی سچائیوں کا گہوارہ بنانا ہے اور جو وعدے ہم نے تاریخ سے کئے تھے ان کے مطابق اسے شکل دینی ہے تو پھر الا اللہ کے تقاضے پورے کرنے پڑیں گے۔ اس وقت معاشرہ معمولی اکثریت جسے

حکمران کہتے ہیں کے زیر تسلط ہے۔ یہ لوگ سیاست، اقتصادیات اور معاشرت پر بے پناہ غلبہ حاصل کر چکے ہیں۔ لا الہ کا تقاضا ہے کہ انہوں نے اپنے بے پناہ غلبے اور طاقت کے بل بوتے پر، اسلام کے معاشی انصاف کے تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے گذشتہ پچاس سال میں جو ملکی وسائل لوٹے ہیں، وہ سب مال واپس لایا جائے۔ یہ ان کا حق نہیں ہے۔ ہم اسے مسروقہ مال قرار دیتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کا بنیادی تقاضا ہے کہ یہ ساری دولت تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے اور ان کی زندگیوں کو سنوارنے کے لئے استعمال کی جائے۔ جب تک یہ نہیں کیا جاتا ہم **لا الہ الا اللہ** کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ ہمارا اپنا نظریہ حیات ہے۔ ہر آزاد قوم اپنے نظریات کے مطابق اپنی سیاست، تمدن اور معیشت کو ترتیب دیتی ہے۔ ہمارے اصول ایسے ہیں کہ ہم ان سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔ ہمیں انہی کے مطابق اپنی معیشت کو شکل دینی چاہئے جو کہ ہم نہیں دے سکے۔

1936ء میں بہت سارے نوجوان اقبالؒ کی تعلیمات کے زیر اثر آ چکے تھے۔ ہماری دنیا بدل چکی تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے ہم آج تک اسی کیفیت سے سرشار ہیں اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر اقبالؒ کی فکر ہماری رہ نمائی نہ کرتی تو شاید نہ ہم علم حاصل کر سکتے، نہ زندگی کے تھپیڑے برداشت کر سکتے اور نہ ان مشکلات کو جو ہمارے سامنے تھیں عبور کر سکتے۔ اقبالؒ کی فکر نے ہم میں جینے کا جذبہ پیدا کیا، ہم میں خودداری پیدا کی اور مشکلات سے مقابلہ کرنے کی ہمت عطا کی۔ آج کے بچے اس جذبہ ایثار سے قطعی طور پر عاری کئے جا چکے ہیں۔ ہم نے غریب گھرانوں میں پیدا ہو کر بھی بڑے بڑے نوابوں، پیروں اور ملاؤں کے آگے سر نہیں جھکایا اور نہ ہی ان کی بالادستی قبول کی۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ کا تعلق بھی اسی مستغنی طبقے سے تھا۔ ہم تو عام سے طالب علم تھے۔ لیکن پرویزؒ صاحب ہم سے ہزار گنا زیادہ ذہن رسا اور درد دل رکھنے والے تھے۔ وہ بڑے محنتی اور ذہین انسان تھے۔ مجھے جو معاشرے میں تھوڑی بہت اہمیت ملی ہے یہ انہی کی صحبت کا فیضان ہے۔ آپ میں سے یہاں جتنے خواتین و حضرات تشریف رکھتے ہیں، شاید میں سب سے زیادہ ان کے قریب تھا۔ میں نے ان کی مجلس، ان کی صحبت سے کسب فیض کیا ہے۔ ہم باہمی مشوروں سے مختلف طبقوں کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات کا مقابلہ کرتے رہے یقین جانئے! اگر آپ مانتے ہیں کہ اقبالؒ مفسر قرآن ہے، تو اس مفسر قرآن کو پیش کرنے کے لئے جناب پرویزؒ صاحب نے جو کام کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔ بیرون وطن بزم طلوع اسلام کے نام پر اس پیغام کی اہمیت کو عام کرنا، نوجوانوں میں وہی فکر و نظر اور لگن پیدا کرنا ایک بہت بڑی خدمت ہے۔

میں اقبالؒ کا پیروکار ہوں، اس کے فلسفے کا شناسا ہوں، اس کی رو سے اس کائنات کے متعلق جو میرا نقطہ نظر بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اس ساری کائنات کو پیدا کرنے والا صرف ایک رب ہے۔ واحد! سب کو اسی نے پیدا کیا ہے اور وہ سب سے محبت کرتا ہے۔ وہ ہماری تقصیروں کو معاف کرتا ہے۔ اس نے اس کائنات میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اپنے پیار و محبت کی بنا پر اس کی منشاء ہے کہ اس کی نعمتیں اس کے تمام بندوں تک پہنچیں اور اگر میں اسے اپنا رب مانتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ سب کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور اس کی منشاء یہ ہے کہ اس کی نعمتیں اس کے تمام بندوں تک پہنچیں تو اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ جو قوتیں بھی اس کی منشاء کی راہ میں حائل ہوں اور اس کی نعمتیں اس کے بندوں تک پہنچنے نہ دیں میں ان کے خلاف بغاوت کر دوں! اگر میں ایسا نہیں کرتا تو میں اپنے رب کے واحد ہونے اور اپنے خالق کو زبانی طور پر تو مانتا ہوں لیکن عملی طور پر نہیں مانتا۔ اقبالؒ نے جو کہا تھا کہ

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو

تو یونہی نہیں کہا تھا۔ اس کا ایک واضح مقصد تھا۔ یہ باطل قوتوں کے خلاف اعلان بغاوت تھا۔ وہ قوتیں کہ جو رب کی نعمتوں اور اس کے بندوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آج کل ہیں' آج پاکستان کو سیاسی' اخلاقی' انسانی' ہر لحاظ سے مسمار کیا جا چکا ہے۔ اس کو اسی طرح (Re-Capture) کرنا ہے جس طرح کہ پاکستان حاصل کیا تھا۔ تمام باطل قوتوں کو شکست دینی ہے۔ اقبالؒ کی فکر نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی قوت میں بدل دیا تھا۔ جس میدان میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تھی میں بھی وہاں موجود تھا۔ ہم ان تمام بتوں کے خلاف مصروف تگ و تاز تھے جو برادریوں' قبیلوں' زبانوں اور فرقوں کی شکل میں گھڑے گئے تھے۔ ہم بچے تھے' کالج میں پڑھتے تھے' جانتے تھے کہ ہمارا کیا حشر ہونا ہے' لیکن ہم لڑ رہے تھے اور بہت بڑی تعداد میں لڑ رہے تھے۔ تاریخ نے مشاہدہ کیا کہ 23 مارچ 1940ء کا ریزولیوشن آنے کے صرف چند سال بعد ہم نے یہ سارے بت پاش پاش کر دیئے تھے۔ نہ کوئی برادری رہی تھی' نہ فرقہ' کوئی اختلاف نہ تھا۔ تمام برصغیر کے مسلمان ملت واحدہ میں بدل گئے۔ سب کا ایک نصب العین ہو گیا۔ اس نصب العین کی روشنی میں انہیں اپنا آپ نظر آیا۔ خود شناسی ہوئی۔ انسانیت نظر آئی۔ قائداعظمؒ کی صورت میں ایک اچھا رول ماڈل (Role Model) ملا۔ جس کی قیادت میں پوری قوم ایک ناقابل تسخیر قوت بن کر ابھری اور اپنے لئے ایک آزاد وطن حاصل کر لیا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہی استحصالی طبقہ جسے حکمران کہا جاتا ہے برسر اقتدار آ گیا۔ ان کے نزدیک برسر اقتدار آنے کا واحد مقصد اقتدار برائے اقتدار تھا۔ ان کے نزدیک اقتدار ایک مقدس امانت نہیں بلکہ پیشہ ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے وہی تعصبات پھر سے پیدا کر دیئے۔ قوم ذاتوں' برادریوں' زبانوں اور علاقوں میں بٹ گئی۔ کہنے کو تو یہ جمہوریت کے علمبردار ہیں لیکن عوام کی حکمرانی پر یقین نہیں رکھتے۔ بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ آج تک کسی نے بھی عوام کی حکمرانی پر یقین نہیں رکھا۔ ان حقائق سے نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی قوم عروج پاتی ہے تو وہ ان تمام کمینہ ذہنیتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیتی ہے۔ ان میں انسانیت آ جاتی ہے اور انسانیت کے تمام جوہر جلا پاتے ہیں اور جب زوال کا زمانہ آتا ہے تو برادریوں' قبیلوں' زبانوں اور علاقوں کے فتنے پھر سے سر اٹھا لیتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ لہٰذا' اگر جاننا ہو کہ کسی قوم پر زوال آیا ہے یا عروج تو یہ ایک پیمانہ ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ حکمرانوں نے اقتدار برائے اقتدار کو ہی اپنا نصب العین بنا رکھا ہے جس کے نتیجے میں قوم ان تمام تضادات کی شکار ہے جو 1958ء میں مارشل لاء کا سبب بنے تھے اور ان تضادات کے باعث آدھا پاکستان کٹ گیا تھا۔ ان کا قطعی طور پر کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ بالکل حق بجانب تھے۔ اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ہم بھی وہی کرتے جو انہوں نے کیا تھا۔ قوانین قدرت نہایت اٹل ہیں۔ وہ قومی خطاؤں سے قطعی طور پر اغماض نہیں برتتے۔ جو قوم ہلاکت کی طرف رواں دواں ہو' اس کی جو نشانیاں ہوتی ہیں وہ سب اس وقت موجود ہیں۔ وہ تمام قباحتیں' غلاظتیں' نجاستیں جو کسی قوم کی ہلاکت آفرینی کا سبب بنتی ہیں وہ ہم میں پیدا ہو چکی ہیں۔ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اس سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے۔ جس کی تعلیم اقبالؒ نے دی تھی اور جس پر ہم نے ایک فیصد بھی عمل نہیں کیا۔

اس لحاظ سے آج کا اجتماع بہت اہم ہے۔ طلوع اسلام جیسے مخلص اداروں کی طرف سے (میں دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہوں) ایسے اداروں کی طرف سے' ایسے بے غرض لوگوں کی طرف سے' جن میں نہ کسی سیاسی وجاہت کا سوال ہے' نہ انہیں کوئی دوسری غرض مطلوب ہے' یہ جو کام کر

رہے ہیں وہ صرف اور صرف انسانیت کے لیے، حق کے لئے، اور اسلام کی سربلندی کے لئے کر رہے ہیں۔ للذا، یہ اجتماع بہت اہم ہے۔ پتہ نہیں۔ ہم جو بڑے بوڑھے ہیں۔ (میں بڑا بوڑھا ہوں۔ آپ سب نہیں ہیں) ہم تو گئے گذرے ہیں۔ لیکن ان بچوں میں پتہ نہیں کیا کیا جوہر ہیں جو بیدار ہوں گے اور قوم کی نجات کا سبب بنیں گے۔ یہ ہونے چاہئیں!

بہرحال، کویت میں اس تقریب کا منعقد کرنا اور پاکستان میں منعقد ہونے والی تقاریب سے اس کا مختلف ہونا میرے لئے باعث تقویت ہے۔ میری چھٹی حس نے جو مجھے کہا تھا کہ جب وہاں جاؤ گے تو روحانی تسکین پاؤ گے اور جس طرح جناب اکبر سعید نے یہ نظم پڑھی تھی۔

کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
اس انجمن کو چھوڑ کر وہاں جائیں گے تو کوئی سکون ملے گا؟ کوئی قرار آئے گا؟

میں حالات کے تجزیئے کی بنا پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ وطن سے باہر رہ کر ہم سے زیادہ وطن کے استحکام کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ اس لئے آپ کی محبت اور آپ کا درد ہم سے کہیں زیادہ مخلصانہ ہے۔ ہم وہاں جو کام کرتے ہیں تو تحت الشعور میں کہیں نہ کہیں یہ ضرور پوشیدہ ہوتا ہے کہ واہ واہ ہو گی یا کہیں سے کوئی سیاسی منفعت کا راستہ کھل جائے گا لیکن آپ تو حرص و آز سے بے نیاز ہیں۔ آپ تو محض وطن کی محبت اور اپنی شناخت کو زیادہ قابل قبول بنانے کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس لئے وطن کے استحکام میں آپ کا کردار بڑا اہم ہے۔ ایک تکلیف دہ چیز جو ہر جگہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میں مسلم لیگی ہوں۔ میں پیپلزپارٹی سے ہوں میں فلاں ہوں، میں فلاں ہوں۔ اس کو نہیں چھوڑتے۔ اگر آپ نے پاکستان کو، اپنے اہل وطن کو، ہم جو پیچھے پریشان بیٹھے ہیں، اگر ان کو کوئی راہ دکھانی ہے تو مہربانی کر کے اپنے آپ کو ان بندھنوں سے آزاد کیجئے۔ خود کو (Liberate) کیجئے۔ آپ آزاد ہیں۔ آپ کو ہر تعصب سے پاک ہونا چاہئے۔ جو چیز حق ہے۔ حق ہے! جو غلط ہے۔ غلط ہے! اپنے اندر جرات پیدا کریں۔ میرے نزدیک سب سیاستدان مجرم ہیں میں کئی بار اس کا اظہار کر چکا ہوں۔ سیاست دان کا کام کسی قوم کی قیادت کرنا ہوتا ہے۔ قائداعظمؒ نے بھی تو قیادت کی تھی۔ اس فرق کو ملحوظ رکھئے کہ قیادت کرنا اور حکومت کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ کسی کو بھی گدی پر بٹھا دیں، سٹیٹ مشینری موجود ہے، وہ حکم چلائے گا اور دو، چار سال نکال لے گا۔ حکومت کرنا قطعی طور پر مشکل نہیں۔ احمق سے احمق آدمی کو بھی بٹھا دیں وہ بھی حکومت کر لے گا۔ اصل چیز قیادت ہے۔ بدقسمتی سے (کسی کے بارے میں غلط بیانی سے کام نہ لیتے ہوئے بھی کہوں گا) لیڈر شپ کا فقدان ہے! وژن نہیں ہے! کمٹمنٹ نہیں ہے! اور صرف اور صرف لوگوں کے لئے جینے کا حوصلہ نہیں ہے۔ لیڈر وہ ہوتا ہے جو صرف اور صرف دوسرے لوگوں کے لئے جیئے، اپنے لئے ہی نہ جیئے! یہ ایک ایسا معیار، ایسی کسوٹی ہے کہ جس پر پورا اترنا بہت مشکل ہے۔ نفس بڑا ظالم ہے! دنیا کی چھوٹی چھوٹی لذتیں اسے اپنی طرف اس طرح کھینچتی ہیں کہ یہ جتنے بھی اعلیٰ مقاصد ہوتے ہیں، سب ترک کر دیتا ہے۔ بچوں نے ابھی ابھی دعا مانگی تھی ۔ لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری! اس میں وہ تمام اخلاقی اصول ہیں جو نہ صرف ہمیں، بلکہ دنیا بھر کے انسانوں کو اختیار کرنے چاہئیں۔ ہم نے تو نہیں لیکن دنیا نے اختیار کئے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے سرفراز ہیں۔ ہمسایوں کو، دوستوں کو، عزیز و اقارب کو دھوکہ دینا ہم جائز سمجھتے ہیں اور عبادات بھی بجا لاتے ہیں۔ (اور چونکہ میں اس سے پہلے بھی مورد الزام ٹھہرایا جا چکا ہوں۔ میں نے مورد الزام کہا ہے، کافر نہیں) طلوع اسلام پر تو بڑی جلدی فتوے لگ جاتے ہیں، مجھ پر ابھی تک فتویٰ نہیں لگا۔ اب شاید اس کے بعد لگ جائے! قیام پاکستان سے پہلے کی نسبت ہزار گنا زیادہ مساجد ہیں۔ پہلے کی نسبت

ہزار گنا زیادہ لاؤڈ اسپیکرز ہیں' ہزار گنا زیادہ آئمہ مساجد ہیں' کہیں زیادہ عمرہ کرنے والے ہیں۔ (ان میں لاتعداد بیورو کریٹ بھی شامل ہیں۔ جو کسی کام کو جاتے ہیں اور عمرہ کر کے واپس آتے ہیں) خدا کے واسطے ذرا غور فرمائیں۔ جب سے پاکستان بنا ہے' لاکھوں انسانوں نے حج کئے' عمرے کئے۔ یہ نیک اعمال کرنے کے بعد اگر ان کے دل میں کوئی تبدیلی آئی ہوتی تو کیا ہماری سیاسی اور معاشرتی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑتا؟ اس کا مطلب ہے کہ نماز و روزہ و قربانی و حج یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہمارا کردار بہت کمزور ہے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں تاکہ آپ پر کردار کی عظمت واضح ہو۔ گذشتہ دنوں وسیم سجاد کی سربراہی میں پاکستانی پارلیمنٹرین کا ایک وفد ساؤتھ افریقہ گیا تھا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اڑھائی سو سال تک غلامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد اس قوم کی سیاسی و معاشرتی صورتحال کیسی ہے؟ میں جب وسیم سجاد سے ملا تو پوچھا کہ دورہ کیسا رہا۔ کہنے لگے کہ نیلسن منڈیلا سے ملاقات ہوئی۔ وہاں کے سیاسی و معاشرتی حالات کا حسن ابھی تک ذہن میں رچا بسا ہے۔ اڑھائی سو سال تک گورے ان کالوں پر مظالم ڈھاتے رہے۔ تاریخ انسانیت میں کسی قوم پر اتنے مظالم نہیں ڈھائے گئے جتنے ان گوروں نے ان کالوں پر ڈھائے' لیکن عجیب صورتحال ہے کہ کالے اور گورے دونوں نیلسن منڈیلا کی قیادت میں مل کر کاروبار سلطنت چلا رہے ہیں۔ نیلسن منڈیلا سے ہم نے پوچھا کہ آپ نے 26 سال تک قید تنہائی کی اذیت برداشت کی۔ کوئی ایسا واقعہ یا ظلم آپ کو یاد ہو کہ جس پر آپ کو غصہ آیا ہو' نفرت ہوئی ہو' کہنے لگے نہیں' صرف ایک واقعہ یاد ہے۔ میں ایک جزیرے میں قید تھا جہاں مچھر بہت زیادہ تھے۔ ایک رات مجھے سخت سردی لگی۔ میں کانپ رہا تھا۔ میں نے انچارج سے کہا بھائی کمبل دے دو۔ ان کے قواعد کی رو سے اگر وہ کمبل دے دیتا ہے تو اسے سخت سزا مل سکتی تھی لیکن اس نے مجھے کمبل دے دیا۔ اگر مجھے 26 سال میں کوئی واقعہ یاد ہے تو اس وارڈن کا مجھے کمبل دینا یاد ہے اور مجھے کچھ یاد نہیں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کردار کی عظمت کس چیز کا نام ہے۔

ہم بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم کلمہ گو ہیں! لیکن معلوم ہے' ہم کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ کیا ہم ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا کہ اللہ میاں چاہتا ہے؟ وسیم سجاد اور ان کا وفد ساؤتھ افریقہ سے سرشار ہو کر لوٹا کہنے لگے ہمارے سامنے ابھی تک وہی نقشہ ہے۔ اب دیکھئے ہمارے وہ بھائی جو لاکھوں کی تعداد میں سالہا سال سے حجاز مقدس جا رہے ہیں اور اس کے پاس جا رہے ہیں جو اسوہ حسنہ ہے' جو انسانیت کا کامل ترین نمونہ ہے لیکن جو ہماری آنکھوں کے سامنے پاکستان میں ہو رہا ہے' اس پر بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری اپروچ غلط ہے! ہمارے رویہ صحیح نہیں۔ اسے درست کرنے کی ضرورت ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود پاکستان کے بارے میں' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ باوجود ان تمام ہلاکت آفرینیوں کے' ان تمام اسباب کے جو فنا کو لازمی قرار دیتے ہیں پاکستان قائم رہے گا اور یہ ایک محض دعا نہیں تاریخی حقیقت ہے۔ اس لئے کہ جن عوامل اور محرکات کی وجہ سے پاکستان وجود میں آیا تھا۔ اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ اس خطے میں مسلط ہو چکے ہیں۔ ہندو جو انسانی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو انسان کہلانے کا مستحق نہیں اسلئے کہ جو محض مذہب کی بنا پر دوسرے انسان کو چھونا تک پسند نہ کرے وہ انسان کیسے کہلا سکتا ہے' وہ مسلمان کو اچھوت سمجھتا تھا۔ ہم ان سے الگ ہوئے اس لئے کہ ہم مسلمان تھے اور ان کے ساتھ آبرو مندانہ زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے اکابرین نے الگ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ اب وہ حالات بی جے پی کی حکومت آنے کے بعد پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ پیدا ہو چکے ہیں۔ بالفرض اگر اس

وقت ہندوستان کے مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ پاکستان بننا چاہئے یا نہیں تو وہ پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے کہیں گے کہ بننا چاہئے۔ اگر پاکستان کے اندر ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے وہ حالات پیدا بھی ہو گئے ہیں تو یہی ایک فیکٹر ہمیں قائم رکھنے کے لئے کافی ہے۔ بی جے پی کی حکومت سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ اچھا ہوا' اب ہندوانہ ذہنیت ان لوگوں پر بھی عیاں ہو جائے گی جو انہیں ہماری نسبت زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ہمیں حقیقی خطرہ اپنے حکمرانوں سے ہے۔ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہماری پریشانیاں اور بڑھیں گی۔ جب میں چند روز وہاں تھا تو میں نے ان حقیقتوں کو آشکار کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ لوگو! تمہاری پریشانیاں مزید بڑھیں گی۔ صورتحال یہ ہے کہ ایک حقیر اقلیت تمہارے مال کو' تمہاری عزتوں کو لوٹ کر لے گئی ہے۔ جب تک تم ان سے حساب نہیں لو گے اور اس صورت حال کو بدلنے کے لئے اٹھ کھڑے نہیں ہو گے تب تک تمہاری قسمت نہیں بدلے گی۔

آپ کویت میں پاکستان کے سفیر ہیں۔ آپ یہاں رہ کر بھی پاکستان کی سلامتی اور استحکام کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ خدا کویت کو اس کے ہمسائے سے محفوظ رکھے۔ اس ہمسائے کے بارے میں پاکستان میں بھی بڑے اچھے جذبات پائے جاتے ہیں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ صیہونیت کے خلاف ایک بہت بڑی قوت ہے۔ لیکن اس کی اپنی طرف سے جو صیہونیت ہو رہی تھی اس کا کسی کو خیال نہ آیا۔ مسلمان قوت تو اخلاق کی پیکر کریمانہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے شمشیر سے نہیں بلکہ اس اخلاقی قوت سے ایک جہاں کو زیرِ نگیں کر لیا تھا۔ وہ جب بھی کسی ملک کی طرف پیش قدمی کرتے تھے تو ان کی آمد کی خوشبوئیں بہت پہلے وہاں پہنچ چکی ہوتی تھیں۔ وہاں کے عوام ان کے منتظر ہوتے تھے کہ نیک لوگ آ رہے ہیں۔ ان کے حکمران بڑے ظالم ہوتے تھے اور وہ اندر سے ان کے خلاف باغی ہو چکے ہوتے تھے اور مسلمانوں کے لئے انہیں فتح کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ کیا کوئی ملک اپنے ہمسائیوں پر' اپنے بھائی بندوں پر اس طرح چڑھائی کیا کرتا ہے۔ جس طرح کہ کویت پر کی گئی تھی؟ آپ جب تک کویت میں مقیم ہیں' ہمیشہ اس کی خیر و سلامتی کے متمنی رہیں۔ میرا ایمان ہے (بزم طلوع اسلام کے ساتھ مجھ پر بھی مزید فتوے لگ جائیں گے مگر کوئی بات نہیں) کہ جو مسلمان اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور وہ کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے' وہیں سے کھاتا پیتا اور بچوں کی پرورش کرتا ہے' وہ لوگ اس ملک کی خیر نہیں مانگتا تو اس کا ایمان بڑا ناقص ہے۔ کویت تو ہمارا اپنا ملک ہے۔ میں آپ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد سے پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اسلام کے لئے' اپنے وطن کی آبرو کے لئے' اقبالؒ کے عالمگیر فلسفہ انقلاب کے لئے' اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں گے بلکہ اور تیز کریں گے اور اگر اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالتا ہے تو اسے نرمی' محبت اور دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کریں تاکہ آپ کا یہ مقدس مشن مزید کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔

****

DAMP - DECAY - MOISTURE ???

NO WORRY

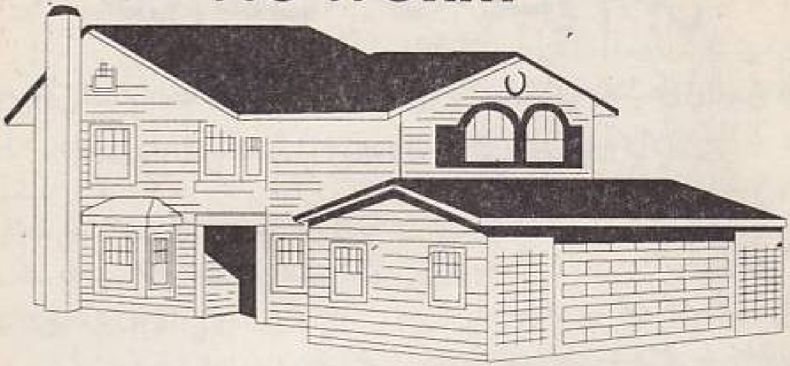

WE PROTECT YOUR HOUSE

AGAINST
DAMP-DECAY-MOISTURE-LEAKGE
AND
MEND, FILL, SEAL AND REPAIR
THE CRACKS, FISSURES, RAIFTS, GAPS AND
EXPANSION JOINTS TO ASTM STANDARDS

PLEASE CALL US TO DEMONSTRATE
HOW WE DO IT

SAFTY SEALERS(Pvt) LTD

GALAXY SHOPPING CENTRE
115 FEROZEPUR ROAD
LAHORE
Phone 7573615 -417254

ALLAMA IQBAL ROAD
KARACHI
Phone 4557176

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالرحمٰن ارائیں

تعارفی خطاب بسلسلہ تقریب یوم اقبال"

بزم طلوع اسلام کویت کے اجتماع میں جناب عبدالرحمٰن ارائیں صاحب کی فی البدیع تقریر بسلسلہ یوم اقبال" منعقدہ اپریل 1998ء جسے ٹیپ سے ریکارڈ کیا گیا۔ مدیر

محترم جناب ملک معراج خالد صاحب، محترم جناب پروفیسر فتح محمد ملک صاحب، محترم جناب سفیر پاکستان مشتاق احمد مہر صاحب، عزیز بہنو اور بھائیو!

مجھے بے حد خوشی ہے کہ آج ہم سب اس لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ ایک عظیم مفکر، شاعر اور فلسفی کو خراج عقیدت پیش کریں۔ آپ جانتے ہیں، وہ ہم سے ساٹھ سال قبل جدا ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے جو علمی متاع چھوڑی ہے اس کی آج افادیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کی نگارشات ہمارے دلوں میں رچی بسی ہیں۔ اس لئے وہ آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

اس تقریب سعید کے لئے ہم نے ملک معراج خالد صاحب کو دعوت دی تھی۔ آپ سب ملک صاحب کو اچھی طرح جانتے ہیں وہ کس تعارف کے محتاج نہیں۔ ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ انہوں نے باجود مصروفیت کے ہمیں اپنے قیمتی وقت سے دو تین دن عنایت فرمائے۔ ان کے ساتھ پروفیسر فتح محمد ملک صاحب کو بھی ہم نے دعوت دی تھی۔ پروفیسر صاحب قائداعظم" یونیورسٹی اسلام آباد کے سابق ڈائریکٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز رہ چکے ہیں اور اقبالیات پر بڑی دقیق نظر رکھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم سب ان کے قیمتی خیالات سے مستفید ہوں گے۔ بزم طلوع اسلام کی طرف سے میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

طلوع اسلام اور علامہ اقبال" کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ طلوع اسلام دراصل ان کی ایک شہرہ آفاق نظم کا عنوان ہے جو ان کے مجموعہ کلام بانگ درا میں شامل ہے۔ اس نظم میں انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کا پیغام دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برصغیر میں مسلمان انتہائی پستی اور زبوں حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی تھی اور وہ بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ اس اذیت ناک صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس بے حسی کی وجہ غلامی ہے اور جب تک مسلمان غلامی کی زنجیریں کاٹ نہیں پھینکتا اسے معاشرے میں باعزت مقام نہیں مل سکتا۔ انہوں نے اپنی گرمی افکار سے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ اور امنگ پیدا کی اور انہیں ان کا صحیح مقام یاد دلایا۔ فرماتے ہیں ۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اقبال کے نفس گدازیوں نے صور اسرافیل کا کام کیا اور مردوں کی بستی میں حیات نو کے آثار پیدا کر دیئے۔ اس کی شعلہ نوائیوں سے راکھ کے اس ڈھیر میں پھر سے زندگی کی چنگاریاں نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد مسلمانان ہند ان کے انقلابی تصورات کو دماغوں میں لئے بپھرے ہوئے شیروں کی طرح اٹھے اور ہر مخالف قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ نتیجہ یہ کہ وہی مغلوب و محکوم قوم جو کل تک نہایت ذلیل و

حقیر شمار کی جاتی تھی ایک آزاد اسلامی مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ آپ فرماتے ہیں۔ ۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا؟
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اقبال اپنے سینے میں ایک درد آگیں دل رکھتے تھے' جو مفلسوں' اور ناداروں' محنت کشوں اور مزدوروں کی زبوں حالی پر خون کے آنسو بن کر ان کی چشم گریاں سے ٹپک پڑتا تھا۔ وہ سوچا کرتے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں اور ایک درد مند دل کو ہلا دینے والا نظارہ ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے؟ ان سوالات میں "ہمیشہ کے لئے" کے الفاظ بڑے غور طلب ہیں۔ اقبال کی باقی زندگی انہی سوالات کے اطمینان بخش جواب کی تلاش میں گذری۔ ظاہر ہے کہ ان کا جواب ہمارے "مروجہ مذہب" کے معاشی نظام سے نہیں مل سکتا تھا کہ جس کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ نظم عالم کے لئے مفلسی ایک جزو لازم ہے کیونکہ اگر مفلسی نہ رہے تو دولت مند لوگ صدقہ و خیرات دے کر ثواب کیسے حاصل کر سکیں گے اس لئے مفلسی سے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش نہیں ہونی چاہئیں کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو صدقہ و خیرات سے متعلق شرعی احکام معطل ہو کر رہ جائیں گے اور مولوی صاحبان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ علامہ اقبال نے ان سوالات کا جواب قرآن حکیم کی ابدی ہدایات سے پا لیا تھا۔ انہی جوابات کو وہ امت مسلمہ اور عالمگیر انسانیت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ سب سے پہلے انہیں قرآن سے یہ جواب ملا کہ مفلسی اور ناداری کا بنیادی سبب نظام سرمایہ داری ہے۔ جب تک اس نظام کی جڑیں نہیں کٹتیں' کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں خاموش نہیں ہو سکتیں۔ ان صداؤں کا علاج' محتاجوں اور مفلسوں کی جھولی میں بھیک کے ٹکڑے ڈال دینے میں نہیں ہے۔ ان کا علاج اس نظام کے الٹ دینے میں ہے جو انہیں مفلس اور محتاج بناتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اقبال نے نظام سرمایہ داری کے خلاف جہاد کو اپنی زندگی کا مشن قرار دے لیا تھا۔ فرماتے ہیں۔ ۔

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

وہ اس نظام سے نجات حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اس نظم میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انسان کا انفرادی عمل کسی نظام کی بساط کو الٹنے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اجتماعی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی دو مسلمان ایک عمل پر متفق نہ تھے۔ آپ نے اس صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کیا کہ نظام سرمایہ داری کی ہلاکت سامانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے کہ تمام مسلمان اپنے ایمان کی بنیاد پر ایک قوم کے فرد بن جائیں۔ فرماتے ہیں۔ ۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کی زباں ہو جا' محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی' وہ خراسانی' یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

یہ اور اس قسم کے دوسرے اشعار تھے جن سے مسلمانان ہند میں ایک نیا ولولہ اور ایک نیا جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اسلام کے متحرک ہونے کا تصور دیا جو دور ملوکیت نے مسلمانوں کے ذہنوں سے ناپید کر دیا تھا اور مسلمان ایک جامد اور بے عمل قوم بن کر رہ گئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے کہ کسی بھی قوم کو اپنے زمانے کا مقابلہ کرنے اور ہمعصر اقوام پر سبقت لے جانے کے لئے اپنے تمدن اور طرز زندگی کی تجدید کرتے رہنا ضروری ہوتا ہے۔ بقول ان کے "جو ٹھہر گیا وہ کچلا گیا"

تقلید جو دور ملوکیت کا خاصہ ہوتی ہے' اسلام کے متحرک بدن پر بدنما دھبہ بن کر ثبت ہو گئی تھی۔ آپ نے قرآنی فکر سے اس پر کاری ضرب لگائی اور اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا۔ اس طرح علامہ اقبال کے افکار نے مسلمانوں کو اللہ کے قوانین سے ہم آہنگ ہونے کا پیغام دیا اور وہ سرسید کی فکری قیادت میں تقلید کی زنجیروں سے آزاد ہو گئے اور اپنے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کرنے لگے۔

دسمبر 1930ء میں الہ آباد کے مقام پر اپنے صدارتی خطبہ میں مسلمانوں کے اس مطالبے کو جب اقبال نے باضابطہ طور پر پیش کیا تو تقلید پسند علماء ان کی سخت مخالفت کی۔ یہ اسی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ 1936ء میں علامہ اقبال" اور قائداعظم" کی ایماء پر طلوع اسلام کا پرچہ دہلی سے جاری کیا گیا۔ اس کا مقصد اقبال کے افکار کو جو کہ دراصل قرآن کریم کا پیغام تھے مسلمانان ہند پر واضح کرنا تھا۔ یہ مجلہ اس وقت سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ بزم ہائے طلوع اسلام جہاں کہیں بھی ہیں وہ انہی افکار کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ ہمارا مقصد نہ تو کوئی فرقہ بنانا ہے' نہ ہی سیاسی پارٹی! ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بالخصوص اور عالم اسلام کے مسلمان بالعموم اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پا لیں جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان سے قرآن حکیم میں کیا ہے اور جسے مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کے دور ہمایونی میں پا لیا تھا۔

FOR ALL PUBLICATIONS OF ALLAMA GHULAM AHMED PARWEZ® AND RECORDED LECTURES ON QURAN PLEASE CONTACT

TOLU-E-ISLAM TRUST
25B,GULBERG2, LAHORE

ACCOUNT NO. CURRENT 4107-35
MAIN GULBERG BRANCH
HABIB BANK LIMTED LAHORE

PHONE: 876219, 5764484, 57 53666
FAX 92 42 5764484
EMAIL : tluislam@brain.net.pk
INTERNET http://www.toluislam.com

منگورہ سوات میں

تحریک طلوع اسلام نہ تو سیاسی پارٹی ہے اور نہ ہی مذہبی فرقہ' تحریک کا واحد مقصد پاکستان میں اس نظام کا قیام ہے جو محمد رسول اللہ والذین معہ کے عہد میں قائم ہوا تھا---- تارکین صلوۃ و زکوۃ' منکرین حدیث اور ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والوں کا تحریک سے کوئی تعلق نہیں۔

منگورہ سوات میں طلوع اسلام کی بزم قائم ہو چکی ہے۔
ہفتہ وار درس قرآن کے لئے

ہر دوسرے جمعہ 2 بجے بعد دوپہر

ڈیرہ اقبال اودریس
عقب مہران ہوٹل گرین منگورہ چوک تشریف لائیں۔

عربی کلاس

بزم طلوع اسلام لاہور نے' علامہ غلام احمد پرویز ریسرچ سکالرز لائبریری میں عربی کی کلاس شروع کر دی ہے۔ عربی سیکھنے کے خواہشمند حضرات کے لئے دعوت عام ہے۔ کلاس ابتداً" ایک گھنٹے کی ہو گی اور ہفتہ میں ایک دفعہ اتوار کے دن' پرویز صاحب کے درس قرآن کے فوراً" بعد شروع ہو جایا کرے گی۔

ڈاکٹر محمد سعید چوہدری
نمائندہ بزم طلوع اسلام لاہور

تفصیل عطیات برائے ختم نبوت فنڈ

نمبر شمار	نام معطی صاحبان	رقم
-1	محترم یونس اے سوراٹھیا (امریکہ)	=/5,000 روپے
-2	محترم محمد صدیق عدن والا (کراچی)	=/100 روپے
-3	محترم صبیح الرحمٰن (لاہور)	=/35 روپے
-4	محترمہ ناصرہ شبیر (امریکہ)	=/4,000 روپے
-5	محترمہ ڈاکٹر طاہرہ بتول (لاہور)	=/2,000 روپے
-6	محترم عزیز الرحمٰن ارائیں (امریکہ)	=/13,743 روپے
-7	محترم ڈاکٹر خالد رشید سندھو (نیوزی لینڈ)	=/4,000 روپے
-8	محترم محمد عمر بزم طلوع اسلام لاہور	=/100 روپے
-9	محترم محمد اعجاز بزم طلوع اسلام لاہور	=/500 روپے
-10	محترم محمد اکرم بزم طلوع اسلام لاہور	=/2,000 روپے
-11	محترم غلام مصطفےٰ بزم طلوع اسلام لاہور	=/250 روپے
-12	محترم محمد ریاض قریشی بزم طلوع اسلام صدر کراچی	=/1,000 روپے
-13	محترم صالح محمد دھریکاں منڈی بہاؤ الدین	=/500 روپے
-14	محترم ابراہیم پاٹیل مسقط عمان	=/7,987 روپے
-15	محترم راجہ ایم اعظم آف (Southen on Sea)	=/3,700 روپے
-16	محترم عطاء اللہ علی سرفراز خان جمل ایڈیٹر البلاغ (ساؤتھ افریقہ)	=/4,400 روپے
-17	محترم ڈاکٹر شبیر احمد اینڈ مسز فریدہ شبیر احمد فلوریڈا	=/1,938
-18	محترم رشید احمد بٹ (بریڈ فورڈ انگلینڈ)	=/20,000 روپے

عطیات براہ راست اکاؤنٹ نمبر 35-4107 حبیب بینک لمیٹڈ مین مارکیٹ گلبرگ برانچ لاہور میں بھی بھجوائے جاسکتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
ایگزیکٹو ہیڈ
طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سچے موتی

1- ضرورت سے زائد مال

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس سواری ضرورت سے زائد ہو وہ اس آدمی کو دیدے جس کو اس کی ضرورت ہو۔ جس کے پاس زاد راہ زیادہ ہو وہ اسے دیدے جس کے پاس زاد راہ نہ ہو۔ اسی طرح آپ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔

(مسلم)

2- مزارعت

حضرت رافع بن خدیجؓ راوی ہیں کہ انہوں نے ایک کھیت میں کاشت کر رکھی تھی کہ ادھر سے رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا۔ وہ کھیت میں پانی دے رہے تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ زمین کس کی ہے اور اس میں کاشت کون کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بیج بھی میں ڈالتا ہوں اور کاشت بھی میں کرتا ہوں لیکن زمین فلاں کی ہے۔ اس لئے پیداوار کا ایک حصہ وہ لے جاتا ہے اور ایک حصہ میرا ہوتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں سودی کاروبار کرتے ہو۔ زمین اس کے مالک کو لوٹا دو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے اس سے واپس لے لو۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مخابرہ کو نہیں چھوڑتا اس کے خلاف خدا اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ سمجھو۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ مخابرہ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' زمین کو نصف یا تہائی یا چوتھائی (وغیرہ) بٹائی پر لینا دینا۔

(ابو داؤد۔ کتاب البیوع)

3- حرام کی کمائی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ناجائز کمائی میں سے صدقہ اور خیرات کرنے والے کی خیرات خدا کے ہاں کبھی قبول نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ اس کمائی کو اپنے اوپر خرچ کرتا ہے تو اس میں خیر و برکت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اسے پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ بن جاتی ہے یاد رکھو! ایک خرابی کا ازالہ دوسری خرابی سے نہیں ہو سکتا۔ برائی تو اچھائی کے ذریعے ہی مٹ سکتی ہے۔ جو خود ناپاک ہے وہ ناپاک کو پاک کیسے کرے گا؟

(السنۃ فی الصحاح)

4- عقل و خرد

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ام المومنین ایک شخص رات کو زیادہ سوتا ہے اور کم عبادت کرتا ہے دوسرا زیادہ عبادت کرتا ہے اور کم سوتا ہے۔ آپ کے نزدیک دونوں میں سے کونسا زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضرت عائشہؓ

نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ ایسا ہی سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ ﷺ نے جواب دیا تھا کہ ان میں سے جو زیادہ عقلمند ہے وہ ---- میں نے عرض کیا ---- یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تو ان کی عبادت کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہؓ! ان کی عقلوں کے متعلق سوال ہو گا۔ پھر جو شخص زیادہ عقلمند ہو گا وہی دنیا اور آخرت میں افضل ہو گا۔

(کتاب الاذکیا۔ ابن جوزی)

5- تجسس بیجا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا۔ و حرم حرمات فلاتنتھکوھا وحد حدود افلا تعتدوھا۔ و سکت عن اشیاء من غیرنسیان فلاتبحثوا عنھا

اللہ نے تم پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو کچھ حدود مقرر کی ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے اور اس نے ایسا دانستہ کیا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ انہیں بیان کرنا بھول گیا ہے۔ ان چیزوں کے متعلق خواہ مخواہ کرید نہ کرو۔

6- یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا بھی زمانہ آئے گا جیسا (کبھی) بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ (ان میں بعینہ انہی جیسی خصلتیں پیدا ہو جائیں گی اور یہ ایک دوسرے کے اس طرح مشابہ ہو جائیں گے جس طرح جوتی کے دو پاؤں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ (حتی کہ) یہودی بہتر فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے تو یہ تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے۔

(مشکوۃ باب اعتصام بکتاب وسنت)

(اور ظاہر ہے کہ ان بری خصلتوں کی وجہ سے ذلت و خواری کا جو عذاب یہودیوں پر آیا تھا وہی مسلمانوں پر آئے گا)۔

7- حق رسی

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

کچھ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ ان میں سے کچھ اوپر کے حصے میں پہنچ گئے اور کچھ نچلے حصے میں رہے۔ جو نچلے حصے میں تھے وہ پانی لینے کے لئے اوپر گئے تو اوپر والوں نے انہیں یہ کہہ کر پانی لینے سے روک دیا کہ اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ نیچے والوں نے کہا کہ بہت اچھا۔ ہم نیچے سوراخ کر کے پانی حاصل کر لیں گے۔ اب اگر ان نیچے والوں کو (پانی دے کر) اس سے روکا نہ جائے تو ظاہر ہے کہ نیچے اور اوپر والے سب غرق ہو جائیں گے اگر انہیں (پانی دیکر) اس سے روک دیا جائے سب بچ جائیں گے۔

(ترمذی۔ باب الفتن)

8- تھیاکریسی شرک ہے

روایت ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ (9/31)

یہود اور نصاری نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنا لیا تھا۔ تو عدی بن حاتم نے کہا کہ وہ لوگ ان کی پرستش تو نہیں کرتے۔ پھر انہوں نے انہیں خدا کیسے بنا لیا تھا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ جس چیز کو ان کے علماء و مشائخ حلال قرار دے دیتے تھے' یہ لوگ اسے حلال سمجھ لیتے تھے اور جسے وہ حرام قرار دے دیتے تھے اسے حرام ہی علماء اور مشائخ کو خدا بنا لینا ہے۔

(ترمذی و بحوالہ ابن کثیر)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جس بستی میں کسی ایک فرد نے بھی اس حالت میں صبح کی وہ رات بھر بھوک رہا۔ اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا ذمہ ختم ہوا۔

(مسند امام احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گپ شپ

آغاز سفر

ایک نجی دورے پر سری لنکا جانے کا اتفاق ہوا۔ اہلیہ بھی ہمراہ تھیں۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کی مثل مشہور ہے لیکن گھر کے اس بھیدی سے ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ ہاں البتہ وہ "راون غار" جس میں اغوا کے بعد رام کی بیوی "سیتا" کو قید کیا گیا تھا' اب بھی موجود ہے۔ میری اہلیہ محترمہ کو یہ غار دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو آدم پیک (Adam Peak) دیکھنے کا شوق ہمیں سری لنکا کے شہر "کینڈی" لے گیا۔ یہ خوبصورت شہر ایک جھیل کے کنارے واقع ہے۔ خوشگوار آب و ہوا اور دلکش مناظر کے لئے اپنے شہر "مری" کا چربہ نظر آتا ہے۔ ہنی مون منانے کے لئے "مری" ہی کافی تھا لیکن ہم اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز عین اس مقام سے کرنا چاہتے تھے جہاں جنت بدر ہونے کے بعد حضرت آدم نے اپنی بیوی کے ہمراہ اس دنیاء رنگ و بو میں پہلا قدم رکھا تھا۔ لہذا جذبہ و شوق اور مسرت و انبساط کے دلکش اور یادگار لمحوں کو روندتے ہوئے ہم آدم پیک پہنچے۔ مگر یہاں پہنچ کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ وہ جگہ' جہاں حضرت آدم پدھارے تھے زمین سے چار ہزار آٹھ سو سیڑھیاں بلند ہے۔ تومند ہونے کا نہ مجھے دعویٰ ہے نہ میری پتنی اتنی شہ زور کہ اتنی سیڑھیاں چڑھتے اور اترنے کا کشٹ کر سکے' مگر وہ جو کہتے ہیں "ہمت مرداں مدد خدا" ہم نے ہمت کی اور بانہوں میں بانہیں ڈالے پہنچ گئے اس مقام تک جہاں حضرت آدم کے قدم کا نشان ابھی تک موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے نزدیک یہ نشان لارڈ شیو کے پاؤں کا ہے اور بدھ مت والے اسے حضرت بدھ کا نقش پا قرار دیتے ہیں' جو اپنے بیوی بچوں اور سگان دنیا سے اکتا کر یہاں نکل آئے تھے۔ ہو سکتا ہے ہماری طرح جناب شیو جی اور مہاتما بدھ بھی یہاں آئے ہوں اور یہ بات اسی طرح مشہور ہو گئی ہو جیسے ہماری اولاد کل کو کہے گی کہ یہ نشان عاطف طفیل کا ہے جو اپنی ازدواجی زندگی کے دھاگے پختہ کرنے یہاں تشریف لائے تھے اور پھر کس کی جرات ہے کہ تاریخ کے لکھے کو جھٹلا سکے۔

بہرحال مجھے جو بات قارئین طلوع اسلام کے ساتھ (Share) کرنا ہے وہ یہ ہے کہ "آدم پیک" پر چڑھنا اترنا لاکھ دشوار سہی لیکن اس چوٹی سے طلوع آفتاب کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دہکتی آگ کے گولے کی مانند سورج پہاڑوں کی اوٹ سے بلند ہو کر آدم پیک کا عکس فضا میں اس حسین انداز میں بکھیرتا ہے کہ آسمان کچھ لمحوں کے لئے تجریدی آرٹ کا یادگار مرقع نظر آتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہی ایک منظر ہماری اس مہم جوئی کا حاصل سفر تھا تو بے جا نہ ہو گا۔ سری لنکا کے لوگ ملنسار' مہذب اور تعلیم یافتہ ہیں۔ پورے ملک میں بدھ مت کا دور دورہ ہے۔ مسلمان یہاں برائے نام ہیں۔ سیر و سیاحت کے لئے جگہ بری نہیں۔

عاطف طفیل
سیکرٹری بزم طلوع اسلام۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ کتب

نام: سہ ماہی آواز، علمی، فکری، تحقیقی مجلہ
ناشر: آواز فاؤنڈیشن برائے تعلیم گلبرگ لاہور
صفحات: 366- قیمت: ساٹھ روپے

قوم و وطن کو درپیش مختلف مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان مسائل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ دوسری قوموں نے ان مسائل کو کس طرح حل کیا ہے اور یہ کہ ہمارا دین اسلام اس بارے میں ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں ہم ان اہل علم کی تخلیقات سے فائدہ اٹھائیں کہ جنہوں نے اس بارے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ایسا کرنے کی بجائے ہم عام طور پر صرف جذبات سے کام لیتے ہیں اور ان جذبات کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابھی تک ہم مسائل کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ قوم کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی زیر نگرانی سہ ماہی علمی رسالے آواز کا اجراء عمل میں لایا گیا ہے۔ جس میں دنیا کے مشہور اہل علم و قلم کے خیالات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ہمیں اپنے مسائل حل کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

اس وقت ہماری قوم کو فرقہ پرستی، معاشی بدحالی، تعلیمی پستی وغیرہ کے مسائل درپیش ہیں۔ ان مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے مشہور اہل علم کی علمی تحقیقات کو اس شمارے کی زینت بنایا گیا ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت اپریل تا جون کا شمارہ ہے جس میں مولانا وحید الدین خان، سرسید احمد خان، پروفیسر خورشید احمد، عزیز احمد صدیقی، پروفیسر رفیع اللہ شہاب، سبط حسن، ڈاکٹر علی شریعتی، عبدالرحمان چغتائی کے علاوہ علامہ غلام احمد پرویزؒ کے مقالات شامل ہیں۔ پرچے میں شامل موضوعات کو اسلام، عمرانیات، فلسفہ، تاریخ، حالات حاضرہ اور آرٹ کے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ناشر کے علاوہ پرچہ ادارہ طلوع اسلام سے بھی دستیاب ہے۔

نام: نیو ورلڈ آرڈر- ناشر: امجد حیات سمٹ
B/243- نیو چوبرجی پارک، چوبرجی،
لاہور، فون: 7418804
صفحات: 336- قیمت: 150 روپے

پندرھویں صدی کے اواخر میں صلیبی طاقتوں کے ہاتھوں اندلس کی تسخیر کے بعد ایک دن ایک کم سن لڑکی کو گردن میں قلاوہ ڈالے صلیب پر جلانے کے لئے Autode Fe) (عمل ایمانی) کے جلوس میں لے جایا جا رہا تھا تو عین اس وقت جب یہ لڑکی ملکہ ازابیلہ کے سامنے سے گزر رہی تھی وہ ملکہ کی طرف مڑی اور چلا کر کہا۔ "اے ملکہ! میں نے اپنا مذہب اپنی ماں کی چھاتیوں پر چوسا تھا" اس صدی کے مشہور برطانوی ادیب برنارڈ شا نے کہا۔ "اسلام تمام مذاہب میں سے بہترین مذہب ہے اور مسلمان بدترین لوگ ہیں۔" اگر برنارڈ شا معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی زحمت کرتا تو عین ممکن ہے وہ اپنے ذہن رسا سے زیادہ صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا یعنی اسلام ہی ایک سچا دین ہے اور مسلم امہ رسول کریمؐ کی چودہ سو سال قبل کی پیشین گوئیوں کے مطابق اپنی تاریخ کے ایک بدترین دور سے گذر رہی ہے۔ اللہ رب العزت تاریخ

عالم میں اس حقیقت کے متعلق کثیر و قطعی شواہد مہیا کرتا رہا ہے کہ اسلام اس کا اپنا وضع کردہ حقیقی عالم نظام ہے۔ صرف ہم مسلمان ان شواہد کے **تفحص و تفقد** اور نشر و اشاعت کے بنیادی مشن میں ناکام رہے ہیں۔

اس سلسلے میں راقم آثم کی مندرجہ ذیل باہم مربوط تصانیف قابل توجہ اور قابل غور ہیں۔ (1) نیو ورلڈ آرڈر (اردو) (2) تاریخ عالم کا عظیم ترین سانحہ۔

یہ دونوں باہم مربوط کتابیں نام نہاد نیو ورلڈ آرڈر کی اس شکل میں نقشہ کشی نہیں کرتیں جو کسی خاص اقوام کے اوہام و ازعام اور باطل عقائد کے مطابق ہے۔ بلکہ اس شکل میں جو یہ نام نہاد نیو ورلڈ آرڈر کی ٹھوس حقائق اور لابدی حقیقتوں کی بنا پر مترشح ہوتی ہے۔ جب ہم کچھ انتہائی اہم واقعات پر غور و خوض کرتے ہیں تو نیو ورلڈ آرڈر کے نقوش آشکارا ہوتے جاتے ہیں اور تاریخ عالم کے کچھ خفیہ گوشوں میں **تفحص** و تجسس سے اس کی ماہیت ہویدا ہو جاتی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے تمام پہلوؤں یعنی تاریخی' سیاسی' مذہبی' معاشی و معاشرتی وغیرہ کا مبنی برحقائق طریقے سے احاطہ کیا گیا ہے۔ ان قطعی حقائق اور ناگزیر حقیقتوں سے بے خبری کی وجہ سے ہمارے ملک میں انتہائی اعلیٰ سطح پر بڑے نازک فیصلوں میں نقص اور بگاڑ پیدا ہوتا رہا ہے۔ ان کتابوں میں دیئے گئے اہم حقائق سے ہمیں یہ شعور بھی حاصل ہوتا ہے کہ اس دنیا میں طاغوتی طاقتوں کی موجودگی کے علی الرغم قادر مطلق ہستی کیسے بنی نوع انسان کو بتدریج اپنے وضع کردہ حقیقی عالمی نظام کی طرف لے جا رہی ہے۔

انعامی استحقاق

باغبان ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام مفکر ملت سرسید احمد خان" کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں مضمون نویسی کے مقابلہ "سورۃ اخلاص کے حقائق اور اکیسویں صدی" کا اہتمام کیا گیا تھا اس میں تین مضامین موصول ہوئے جن کو نام اور مقام کے بغیر فوٹو سٹیٹ کی صورت میں فرضی رول نمبر 061 - 062 - 063 الاٹ کر کے انعامی ترتیب دینے والے جج صاحبان کے حوالے کیا گیا۔ انہوں نے رول نمبر 063 کو اول اور رول نمبر 061 کو سوئم درجہ دیا۔ جبکہ رول نمبر 062 کو تکمیل پر دوسری پوزیشن ملے گی۔ انعام یافتگان میں اول اعزاز رول نمبر 063 والا مرحوم و مغفور علامہ غلام احمد پرویزؒ کے حصہ میں آیا۔ جبکہ سوئم کے لئے رول نمبر 061 والا جناب پروفیسر علی حسن مظفر سٹریٹ نمبر 4 بڑی سول لائن گوجرانوالہ کا حق بنا۔ انعامی استحقاق والوں سے بذریعہ ڈاک رابطہ کیا گیا ہے تاکہ ان کو انعامی رقم بھیجی جا سکے۔ یاد رہے کہ قواعد میں یہ تبدیلی کر دی گئی تھی۔ کہ مرحوم شخصیات کی طبع شدہ تحریریں مقابلہ میں شامل کی جا سکیں گی۔ آئندہ کے دوسرے مقابلہ کا موضوع "مسلم اخوت" کی عالمی زنجیر اور اکیسویں صدی" ہو گا باغبان حضرات اور دیگر احباب سے مشورہ کے بعد اس کا حتمی اعلان کر دیا جائے گا۔ والسلام

ملک حنیف وجدانی (صدر باغبان ایسوسی ایشن)
معرفت بکس نمبر موہڑہ سیداں مری فون 47224 - 47224

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ رحمت اللہ طارق

قانون تخلیق کے دو بنیادی عناصر

صلب۔ اور۔ ترائب کی تشریح

انی اعیذھابک وذریتھا من الشیطان الرجیم

مریم کی والدہ نے کہا اے اللہ۔ مریم اور اس کی اولاد کو تیرے سپرد کرتی ہوں' تو ہی انہیں شیطان الرجیم سے اپنی حفاظت میں لے لے۔ (عمران: 36)

وجہ اعتراض:-

یہ ہے کہ مسیحؑ کے بارے میں اسلامی اور مسیحی اخلاقیات میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت غیر معمولی طور پر ہوئی تھی۔ جس پر آپ پسر بے پدر کہلائے۔ جبکہ عمران (36) اور انعام (86'87) میں اس کے برعکس آپ پر "ذریة" کا اطلاق کیا گیا ہے اور "ذریة" کے بارے میں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس کا اطلاق فرزند بے پدر پر نہیں ہوا۔ نطفہ کی اولاد ہی کو "ذریة" کہا گیا ہے۔

قول فیصل:-

قرآن نے جس حقیقت کو واضح کیا ہے وہ فطرت اشیاء اور مشاہدہ تخلیق کے عین مطابق ہے۔ امام راغب (1108م) لکھتے ہیں **والذریة اصلھا الصغارمن الاولاد وان کان قدیقع علی الصغار والکبار و معافی التعارف**

ذریة بنیادی طور پر چھوٹی اولاد کو کہا جاتا ہے' تاہم تعارف کے مقام پر چھوٹوں اور بڑوں پر اس کا اطلاق یکساں ہوا ہے۔

(مفردات الفاظ القرآن طبع دار فکر بیروت صفحہ 181 کالم 1)

اس طرح یہ لفظ حقیقی اعتبار سے صرف اپنی ہی اولاد کے لئے خاص ہے جو وارث بننے کی قانونی صلاحیت رکھتی ہو اور اپنے ہی صلب کی اولاد ہو۔ جبکہ قرآن محکم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ

------ یہ لفظ کہیں بھی "آباء" کے لئے نہیں بولا گیا ملاحظہ ہو انعام (87) اس طرح یہ بات تو صاف ہو گئی کہ "ذریة" اولاد کے لئے ہی خاص ہے (لغات القرآن طبع طلوع اسلام جلد 2/696)

ان حقائق کے تناظر میں مسیحؑ کی غیر فطری پیدائش مشتبہ ہو جاتی ہے بلکہ انعام (86'87) میں تو نام لے کر آپ پر "ذریة" کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اب اگر قرآن محکم خود ہی مسیحؑ کو ذریة ٹھہراتا ہے تو فیصلہ ہو گیا کہ وہ وارث بننے کی صلاحیت رکھنے والے مولود تھے اور وارث ہمیشہ نطفے کی اولاد ہی ہوتی ہے جس کی تخلیق اچھلتے قطرۂ منی سے ہوئی۔ قرآن نے کائنات بشری کی تخلیق کا اصل الاصول بتلا کر اس پر غور کرنے کی صلائے عام دی ہے اور اللہ کے اصول نہیں بدلتے **ھل تریٰ من فطور** (ملک) ان میں نہ جھول ہوتی ہے نہ ٹوٹ پھوٹ ------ قرآن اپنے مکدار الفاظ میں فرماتا ہے **خلق من ماء دافق** یعنی نوع بشر کی اچھلتے پانی سے تخلیق ہوتی ہے۔ پھر اچھلتے پانی کی منبع کی نشاندہی کرتے

ہوئے واضح فرمایا۔ **یخرج من بین الصلب والترائب** اس کے منبع دو ہیں **صلب** اور **ترائب** :- صلب کیا ہے اور ترائب کسے کہتے ہیں؟ یہاں میں منافع الاعضا --- یا تشریح الابدان (Anatomy) کے زاویے سے بات نہیں کروں گا کہ طبی اصطلاحات تک میری رسائی نہیں ہے' بات کو سمجھانے کی حد تک اتنا ہی کہہ سکوں گا کہ

صلب اس سیال مادے کا منبع ہے جو مرد سے اچھل کر ٹپکتا ہے اور

ترائب اس سیال مادے کا نام ہے جو عورت کے اندام نہانی سے کشید ہوتا ہے۔

(بحوالہ تفسیر رازی طبع قاہرہ جلد 31/130/6 تا 7)

اس طرح "**صلب**" مرد کے قطرہ منی کا اور **ترائب**" نسوانی سیال مادے کا استعارہ بلکہ نام ہے اور یہ حکمت قرآن کا بلیغ اشارہ ہے کہ وہ پہلے "**ماء دافق**" کو وجہ تخلیق کائنات ٹھہراتا پھر اس "**ماء**" کو دو کی طرف نسبت دے کر اس کا مخرج **صلب** اور **ترائب** کو بتلاتا ہے اس طرح یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ **صلب و ترائب** کے صنفی اجتماع کے بغیر تخلیق بشر ناممکن ہے۔ نہ تنہا صنف **ترائب** میں یہ صلاحیت ہے کہ بچہ جننے کا سبب بن سکے اور نہ ہی صنف **صلب** میں یہ خاصیت کہ ترائب کے بغیر وجہ تخلیق بشر بن پائے!! یہ اللہ کا قانون پیدائش ہے' جو صنفی اختلاط کو لازمی ٹھہراتا ہے اور اللہ اپنے قوانین کی حفاظت کرنا جانتا ہے وہ بااختیار ہو کر بھی اپنے قوانین کو نہ خود توڑتا ہے نہ ہی کسی دوسرے کو توڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس نے **الانسان** کہہ کر اس حقیقت کا برملا انکشاف کیا ہے کہ کائنات بشری کا ہر فرد **صلب اور ترائب** کے صنفی ملاپ کے بغیر کسی بھی غیر فطری قانون کے ذریعہ ظہور میں نہیں آتا یعنی جب تک **صلب** اور **ترائب** کے مادے سے محلول تیار ہو کر رحم میں قرار نہیں پاتا بشر وجود میں نہیں آتا **اللہ** **اکبرُ فالعزۃ للقران** اور رحم ہی میں صورت یابی کا مرحلہ طے پاتا ہے (عمران' 6) کہ اللہ **المصور** بھی ہے (حشر' 24) اور یہ وہ حقیقت ہے جسے رازی جیسے **اشعری** کو بھی اعتراف ہے' وہ لکھتے ہیں کہ انسان ہم شکل کیسے بنتے ہیں؟ پھر حدیث نبوی ﷺ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے

"اگر مرد کا مادہ منویہ غالب ہے تو اولاد باپ' دادا اور باپ کے لواحقین کے شکل پر ہوگی اور اگر عورت کا مادہ منویہ غالب ہے تو اولاد ماں' ماموں' نانا اور ماں کے لواحقین کے مشابہ ہوگی"

(تفسیر رازی طبع قاہرہ جلد 31/130/18 تا 19)

یہاں نبوی تشریح میں بھی اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ صلب اور ترائب کے محلول (Mixture) میں سے جس کا عنصر مقابل کے عنصر سے زیادہ فعال ہوگا' نتیجہ غالب عنصر کے مطابق ہی برآمد ہوگا اور اگر مقابل میں کوئی بھی عنصر نہیں تو تنہا عنصر ضائع ہو جائے گا مثلاً فاعل کسی "ترب" کی حامل سے "جفت" ہونے کی بجائے مخنث یا امرد سے جفت ہوتا ہے تو یہاں تولید کا صلبی عنصر بالکل ہی رائیگاں جائے گا۔ اسی طرح مفعولہ اگر صلب کے حامل کسی سے جفتی نہیں کر پاتی یا کسی مصنوعی طریقے (مثلاً چپٹی بازی یا سینہ مس کرانے) سے فارغ ہو جاتی ہے تو اس کا بھی "تربی" عنصر ثمرآور نہ ہو سکے گا۔ یہ قانون فطرت ہے اور فطرت کے ضابطے اٹل ہوتے ہیں یعنی یہ عناصر اگر مل پائیں گے تو چمنستان بشریت میں لالہ و نسترن کی روئیدگی ممکن ہو جائے گی نہ ملیں گے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔

دو نطفوں کا امتزاج ہی موجب آفرینش ہے

من "بین" الصلب و والترائب میں "بین" کا حرف "**اضداد**" میں سے ہے۔ جس کے معنے الگ ہو

جانے کے بھی ہیں اور مل جانے کے بھی

الاضداد ابن السکیت طبع بیروت صفحہ 204 حرف 354- اصفانی حرف 406)

اب یہاں فیصلہ قرآن کی زبانی ہو گا جو مل جانے کو حتمی ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی صلب اور ترائب مل کر ہی نتیجہ خیز ہوتے ہیں الگ الگ بے نتیجہ ہی رہتے ہیں ---- ادھر ابن السکیت (858م) اور حسن اصفانی' سے پہلے قرآن خود بھی واضح فرما چکا ہے کہ **انا خلقنا الانسان من نطفته امشاج نبتلیه** ہم نے ہر انسان کو دو نطفوں کے امتزاج اور یکجا مجتمع ہونے سے پیدا کیا ہے۔ (دہر' 2)

اس طرح طارق میں **فلینظر الانسان** اور دہر میں **انا خلقنا الانسان** ملکر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ۔ ہر دو مقامات پر الانسان میں۔ الف ولام استغراق کا ہے جو ہر انسان کو منی کے اجتماعی محلول کی پیداوار ٹھہراتا ہے اور یہ اللہ کا نیا قانون نہیں ہے فرمایا - **فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا۔ لاتبد یل لخلق اللّٰہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون**

تم سراپا اخلاص سے دین و قانون خدا کو ملحوظ رکھو کہ اللہ کا قانون پیدائش وہی ہے جس کے مطابق کائنات بشری کو تخلیق فرمایا' اور اللہ کا یہ قانون تخلیق' ناقابل تبدیلی قانون ہے اور پختہ قانون ہے' لیکن لوگ قوانین الہی کی اہمیت کا نہ احساس کرتے ہیں نہ شعور رکھتے ہیں۔ (روم' 30)

اس طرح تخلیق کا حتمی سبب یہ بتلایا کہ عورت و مرد کا مشترکہ مادہ منویہ ہی آفرینش کا بنیادی سبب ہے اور اگر مشترکہ مادہ "منویہ" کی تخلیط' تحلیل' امتزاج اور تخمیر (خمیر اٹھنے) کے بغیر تخلیق ممکن ہو جاتی تو مخنثوں' مفعولوں' خانقاہی' اور مدرسی خلوت کدوں میں جلوہ افروزوں کے ہاں بھی اولاد ہوتی۔ اب یہ سوال ختم ہو جاتا ہے کہ اللہ کی قادریت نہ کسی قانون کا محتاج ہے اور نہ پابند ہے۔ کیونکہ اللہ کی قادریت۔ غیر متنازعہ ہے کہ یہ اس کے اپنے ہی الفاظ میں اس کے قانون سے مربوط ہے۔ اللہ تو اس پر بھی قادر تھا کہ گدھے کو انسان اور انسان سے خنزیر پیدا کرتا مگر اس کے قانون میں "قادریت" کسی غلط مفہوم کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔

مسیح پر "ذریۃ" کا اطلاق

قرآن پاک نہ صرف آیہ زیر بحث کے حوالہ سے اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ **مسیح "ذریۃ"** تھے۔ تخلیق کے الہی قوانین اور فطرت کا وطیرہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ **ماء دافق**۔ جو I مرد اور II عورت کے جنسی اختلاط سے رحم میں جمع ہو کر پرورش پاتے اور صورت یابی کے مرحلے سے گذرتے ہیں' وہی تخلیق کا بنیادی سبب ہیں اس کے بغیر تخلیق ایک امر ناممکن ہے' اور اسی ہی سلسلہ کی سیدہ مریم نے پرورش پا کر جب شعور کی آنکھ کھولی اور پروگرام کے مطابق راہبانہ زندگی کو اپنایا تو اسی حالت ہی میں ناموس اکبر نے انہیں اولاد والی ہو جانے کی بشارت دیدی۔ جسے مریمؑ نے **"لم یمسسنی بشر"** کے پیرائے میں نفی کا رنگ دیدیا جبکہ نفی کا یہ رنگ ماضی کی نسبت سے تھا اس سے مستقبل کی نفی نہ ہو سکتی تھی کیونکہ **لم یمسسنی** میں **لم** کا حرف ہے جو مضارع پر واقع ہو کر اسے ماضی میں تبدیل کر گیا ہے جس سے ماضی میں انسانی قربت کی نفی مراد ہے اس کا مستقبل میں فطرت کے کسی بھی "مظاہر" کی نفی سے تعلق نہیں ہے اور فطرت کے اسی وطیرے کو ملحوظ رکھ کر والدہ مریم (بی بی حنہ) نے مریم کے پیدا ہوتے ہی اپنے احساسات دروں اور بچی کی بابت سہانے خوابوں کا اظہار فرمایا تھا۔ یعنی بچی جب پیدا ہوتی ہے تو ہر ماں پرورش اور تربیت کے ہر ہر لمحہ میں اسے دعاؤں کا بھرپور سہارا دیتا

شروع کر دیتی اور نیک تمناؤں کو الفاظ میں ڈھال کر کہتی رہتی ہے کہ ---- بڑی عمر پائے۔ دودھوں نہلائے --- خوشحال مستقبل ہو۔ ہاتھ پیلے ہوں۔ گود ہری ہو وغیرہ ----- حالانکہ ابھی وہ شیر خوار بچی ہے۔ ہاتھ پیلے اور گود ہری کا تصور تک بھی نہیں کر سکتی۔ مگر صاحب ذریت بننے کی دعاؤں نے ابھی سے اسے گھیر رکھا ہے۔ **بعینہٖ** اسی طرح والدہ مریم کی دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے کنواری دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی خواہش دعا ہی میں چھلک رہی ہے یعنی جس طرح مائیں نوزائیدہ بچی کے روشن مستقبل کی دعائیں کرتی ہیں اسی طرح مائیں نوبیاہتا بچی کو رخصت کرتے وقت اسے اور اس کی ہونے والی اولاد کو اللہ کے حفظ و امان میں بھی دیتی ہیں اور ماؤں کی ایسی دعائیں شیر خوارگی سے لے کر نئی دنیا آباد کرنے کے وقت تک بلکہ بعد میں بھی جاری رہتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ مریم کی والدہ نے ماؤں کے اسی شعور کو اجاگر کرتے ہوئے، مریم اور اس کی متوقع اولاد کے بخت و سلامتی کی دعائیں زندگی بھر جاری رکھی ہوں۔ الحاصل ان ہی دعاؤں میں مسیح پر **ذریۃ** کا اطلاق ہوا ہے جسے کوئی بھی مائی کا لال حذف کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ **ذریۃ** کا لفظ صرف اور صرف اپنی ہی اولاد پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً" بیٹا" پڑپوتا، جھڑپوتا، سکڑپوتا وغیرہ لیکن جو کچھ بھی ہو چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجا اور نواسہ **ذریۃ** میں شامل نہیں ہو سکتے کہ وہ ذاتی نطفے سے تعلق نہیں رکھتے علامہ بستانی اپنی شہرہ آفاق لغوی تصنیف میں لکھتے ہیں **ذریۃ الرجل اولادہ** ---- **ذریۃ** کا اطلاق اپنے ہی نطفے کی اولاد پر ہوتا ہے۔

(محیط المحیط طبع بیروت صفحہ 306 کالم نمبر 1/ 31 تا 32)

چاہے نیچے کی طرف کتنی ہی پشتوں تک چلی جائے۔ یعنی آپ سیدہ زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن کو **ذریۃ رسول** ﷺ تو کہہ سکتے ہیں مگر عبداللہ، اسامہ، حسن اور حسین کو ذریت کے خانے میں نہیں رکھ سکتے۔

خلاصہ بحث یہ کہ کائنات بشری کا ہر فرد قانون تخلیق کے مطابق۔ **الصلب** اور **الترائب** سے کشید شدہ قطرات و اجزاء پر مشتمل محلول کی پیداوار ہے۔ ان میں سے جو عنصر کم اور جو جز ناقص ہے تو تمنا نہ صلب سے کام چل سکتا ہے نہ ترائب موجب تخلیق بن سکتا ہے۔

شادی ہی سے عفت و پاک دامنی حاصل ہو سکتی ہے

جس طرح مسیحؑ پر **ذریۃ** کا اطلاق آپؑ کو دائرہ بشریت میں لے آیا ہے اسی طرح مریمؑ پر **"احصان"** کا اطلاق بھی اسے حبالہ عقد میں مربوط کر گیا ہے۔ فرمایا

عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرمگاہ کو شادی کے ذریعہ حفاظت میں رکھا۔ ہم نے اس کے بچے میں روح پھونکی۔ (تحریم، 12)

جس خاتون نے اپنی شرم گاہ کو حرام کاری سے بچانے کے لئے شادی کر لی ہم نے اس کے بطن کے بچے میں روح ڈال دی۔ (انبیاء، 91)

یہاں ہر دو مقامات پر مریمؑ پر **"احصنت فرجھا"** کا اطلاق ہوا ہے جسے کھینچ تان کر صرف پاکیزگی کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ نظم قرآن اس سے اِبا کرتی اور لسان عرب اس کی تائید سے قاصر ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شادی شدہ خواتین پاکیزہ نہیں ہوتیں؟ کیا وہ جوہر عفت و عصمت سے محروم ہو جاتی ہیں؟ جواب اگر نفی میں ہے اور یقیناً" نفی ہی میں ہو گا تو پھر "پاکیزگی" کو صرف غیر شادی شدہ خواتین ہی کے لئے خاص نہیں کیا جا سکتا۔ لغت عرب کے دانشور اور حکمت قرآن کے بالغ نظر مفکر امام محمد عبدہٗ (1905م) **احصان** کے مفہوم میں لکھتے ہیں **یقال احصنت المراۃ اذا تزوجت لانھا تکون فی حصن الرجل و حمایتہ**

عورت جب شادی کرتی ہے تو عرب کہتے ہیں

احصنت المراۃ وہ شادی کر کے شوہر کی حفاظت میں آ کر تمام خطرات سے محفوظ ہو گئی ہے۔

(تفسیر "المنار" طبع سوم قاہرہ جلد 13/3/5)

نیز:۔ ایک اور محاورے کا سہارا بھی لیا ہے جس میں ہے کہ **ویقال احصنھا اھلھا اذا زوجوھا۔**

عرب جب "**احصنھا**" بولتے ہیں تو ان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اہل خانہ نے اس کی شادی کرا دی ہے۔

(المنار 3/5)

اور یہی مفہوم وحی قرآن نے خود بھی متعین فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

یہ (لونڈیاں) **فاذا احصن** شادی کرنے کے بعد اگر حرامکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ان کی سزا... **المحصنات** شادی شدہ دیگر عورتوں کی سزا کے نصف کے برابر ہے۔

(نساء، 24)

یہاں **احصن** اور **محصنات** کو وحی قرآن نے خود ہی شوہردار عورتوں کے مفہوم میں استعمال فرما کر تمام شائبہ شکوک و شبہات کے آگے بند باندھ دیا ہے اور یہ وہ مفہوم ہے جسے قد آور مفسروں، لغت عرب کے راہواروں اور الفاظ کے مزاج سے بحث کرنے والوں نے واضح کر کے بحث کو غیر مبہم بنا دیا ہے۔ امام العصر محمد عبدہ، لکھتے ہیں۔

وجماھیر السلف والخلف و منھم ائمۃ الفقہ المشھورون علی ان المراد بالمحصنات ھھنا المتزوجات

ادبیات عرب کے اگلے پچھلے ماہرین اور فقہ اسلامی کے مشہور (چاروں) اماموں نے یہاں محصنات کے معنی شادی شدہ خواتین کے کئے ہیں۔

(المنار- 21/3/5 تا 22)

اور **احصان** کا یہی مفہوم پوری تفاصیل سے حجۃ الاسلام علامہ چراغ علی (1895م) نے اپنے رسائل میں اور رہبر ہند سید احمد خاں (1898ء) نے ابطال غلامی میں نیز واضح کیا ہے۔

خدائی روح

کچھ لوگ انبیاء اور تحریم میں واقع لفظ "**نفخ**" سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے روح پھونکنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مسیح کی ولادت غیر معمولی تھی اس کے تناظر میں مریم کا حاملہ ہونا بھی غیر معمولی تھا۔ لیکن یہ کہنے والے بھول جاتے ہیں کہ لفظوں کے ادا شناس "غیر معمولیت" کو نہیں مانتے وہ کسی بھی لفظ کے متعدد مقامات پر مستعمل ہونے کو نظر میں رکھ کر پھر ان ہی کے تناظر میں معانی کا انتخاب کرتے ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آدم اول سے لے کر آج تک جتنی انسانی اور غیر انسانی مخلوق ہے اسے زندگی عطا کرنا اور روح سے نوازنا صرف اور صرف اللہ کا ذاتی عمل ہے۔ اللہ نے نہ صرف مریم کے پیٹ کے بچے میں روح ڈال کر زندگی عطا کی نوع بشر کے ہر فرد میں بھی اسی نے روح ڈال کر زندگی کی رعنائیوں سے ہمکنار کیا ہے (سجدہ، 6) لیکن ہم میں سے کوئی نہیں جو نفخ روح کے استعارے کو زندگی ودیعت کرنے کے علاوہ کسی غیر معمولی مفہوم میں استعمال کرتا ہو یا یہ سمجھتا ہو کہ اللہ کے روح ڈالنے سے ہر فرد بے پدر فرزند بن جاتا ہے؟ اگر روح ڈالنے کے فارمولے کو اسی رنگ میں تسلیم کر لیا جائے جس مفہوم میں اجتنبہ پرست فرماتے ہیں تو قوم کی بہو بیٹیوں کی غلط کاری کی اولاد کو بے پدر ہونے کے طعن سے نہ تو مجروح کیا جا سکے گا اور نہ ہی آوارہ خواتین کے کردار کو سرزنش اور سزا کا سزاوار ٹھہرایا جا سکے گا۔

یہ شادی کس سے ہوئی؟

احصان کے بنیادی مفہوم کی روشنی میں سیدہ کی

ازدواجی زندگی کا معاملہ قابل فہم بن جاتا ہے جسے بغیر تبصرے کے امام رازی نے بھی نقل کیا ہے وہ مشہور تابعی وھب بن منبہ (732م) کے حوالہ سے بات کرتے ہیں اور یہ وھب وہی عالم دین ہیں جن کے بارے میں سیر و تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ **مورخ کثیر الاخبار من الکتب القدیمتہ**

یہ وہ تاریخ دان مورخ تھے جسے قدیم تاریخ اور مذہبی لٹریچر پر پورا عبور حاصل تھا یہ 15 سال تک حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی صحبت اور شاگردی میں بھی رہے۔

(کتاب **الاعلام** زرکلی طبع قاہرہ جلد 150/4)

یہ وھب اپنی غیر معمولی ذہانت اور تاریخ دانی کے زور پر کہتے تھے کہ **ان مریم لما حملت کان معھا ابن عم لھا یسمی یوسف النجار**

سیدہ جب حمل کے ساتھ تھیں تو اپنے عم زاد (کزن) یوسف نجار کے ہمراہ رہ رہی تھیں۔

(تفسیر رازی طبع محمد عبدالرحمان قاہرہ جلد 21/201/17 تا 18)

اور یہ یوسف نجار وہی تھے جو تاریخ اور اناجیل میں سیدہ کے منگیتر اور شوہر ظاہر کئے گئے ہیں ---- **منجد الاعلام** کے مسیحی مصنفین لکھتے ہیں **یوسف القدیس خطیب مریم العذراء کانجار ایسکن الناصرہ (الانجیل)**

مقدس یوسف ناصرہ کے رہنے والے نجار تھے۔ مریم کے منگیتر تھے۔

(**منجد الاعلام** طبع بیروت ایڈیشن 27 صفحہ 755 کالم 2)

امام رازی اور مسیحی مورخین کی طرح بغداد کے شہرہ آفاق مصنف علامہ شہاب الدین آلوسی (1854م) نے بھی وھب کی تائید کرتے ہوئے نجار کو ایک گونہ "شوہر" ہی تسلیم کیا ہے۔ بلکہ امام رازی کے ایک دوسرے حوالہ سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ واقعتاً" بھی محصنہ (شادی شدہ) تھیں۔ لکھتے ہیں۔

سیدہ مریم حمل کے آخری ایام میں جب باہر آئیں اور (مفسرین کے بقول) مصر چلی گئیں تو حضرت زکریا کی بجائے یوسف نجار کے ہمراہ ہی محو سفر ہوئیں۔

(حوالہ مذکورہ)

بات صاف ہو گئی کہ سیدہ اور یوسف کا باہمی ازدواجی تعلق تھا کہ اس کے بغیر ایک عفیفہ نہ تو کسی اجنبی کو ہم سفر بنا سکتی ہے اور نہ ہی زکریا کی موجودگی میں خلوت و جلوت میں کسی کو غمزار و مونس ٹھہرا سکتی ہے۔

خلاصہ = گفتگو یہ کہ ولدیت اور ابنیت کی نسبت جس طرح باپ کی طرف ہوتی ہے ماں کی نسبت سے بھی ہو سکتی ہے لیکن ذریہ کی نسبت صرف باپ کے ناطے سے ہوتی ہے-- آپ **ذریۃ ابراہیم** تو کہہ سکتے ہیں **ذریۃ سارا و ہاجرہ** نہیں کہہ سکتے۔ اس لغوی استقراء کے بموجب سید مسیح سیدہ مریم کی ابنیت کے حوالہ سے تو ذکر ہو سکتے ہیں **ذریۃ مریم** کے فقرے سے نہیں۔ بات مزید کھل گئی کہ مسیح پر **ذریۃ** کا اطلاق پدریت کی اساس پر ہی ہوا ہے امومیت کی بنیاد پر ہوتا تو "**ذریۃ مریم**" بھی کہا جا سکتا تھا۔

آخر میں گستاخی نہ ہو تو عرض کر دوں کہ لوگ مجھ پر طنز کرتے ہیں کہ میں قرآنی الفاظ کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا۔ ان سے ادب و احترام کے ساتھ گذارش ہے کہ وہ **ذریۃ صلب' ترائب' امشاج** اور **احصان** کے بارے میں بتلائیں کہ وہ قرآنی حاکمیت تسلیم کرتے ہیں یا رائج عقیدے کو حکم مانتے ہیں؟

●●●●

عطیات برائے تعمیر مراکز درس قرآن

نمبر شمار	نام معطی صاحبان	رقم
1-	محترم محمد بلال احمد سٹوڈنٹ کلاس V	50/= روپے
2-	محترم قاسم بلال سٹوڈنٹ کلاس IV	100/= روپے
3-	محترم محمد افتخار الحق	500/= روپے
4-	محترم محمد صدیق عدن والا	1,000/= روپے
5-	محترم نعمان شبیر	500/= روپے
6-	محترم سید علی اختر رضوی	1000/= روپے
7-	بے بی فرح گل سٹوڈنٹ KG - II	100/= روپے
8-	مس ثروت گل سٹوڈنٹ فورتھ ایئر	100/= روپے
9-	محترمہ سلمیٰ افتخار خان	100/= روپے
9-	محترمہ سلمیٰ افتخار خان	100/= روپے
9-	محترمہ سلمیٰ افتخار خان	100/= روپے
9-	محترمہ سلمیٰ افتخار خان	100/= روپے
10-	محترم ایم آصف شفیع	500/= روپے
11-	محترم یوسف ضیا خان جی	6,000/= روپے
12-	محترمہ بیگم یوسف ضیا خان جی	6,000/= روپے
13-	شمائل نجیب سٹوڈنٹ کلاس IV	500/= روپے
14-	محترم شاہین فاروق احمد سٹوڈنٹ کلاس IV	500/= روپے
15-	محترم ڈاکٹر محمد اسلم	2,000/= روپے
16-	محترم جناب عمر نور محمد	2,000/= روپے
17-	محترمہ نسرین شیخ	500/= روپے
18-	محترم جہاں زیب خان پی اے ایف	100/= روپے
19-	محترم محمد ریاض قریشی	5,000/= روپے
20-	محترم محمد مختار (وعدہ دس ہزار)	2,000/= روپے (پہلی قسط)
21-	محترم یوسف ضیا خان جی	673/= روپے
22-	محترمہ نعیمہ یحییٰ صاحبہ	1,000/= روپے
23-	محترم عبدالرشید مغل NBP	500/= روپے
24-	محترم الحاج خالد محمود بٹ فیصل آباد	100/= روپے
25-	محترم سائیں جی ایم عباسی	2,000/= روپے
26-	محترم جہاں زیب خان پی اے ایف	100/= روپے
27-	محترم اسلم رضا رضوی وعدہ	5,000/= روپے
28-	محترم محمد اقبال وعدہ	5,000/= روپے
29-	محترم ڈاکٹر مشتاق احمد وعدہ	5,000/= روپے
30-	محترم غلام محمد صاحب NBP وعدہ	1,000/= روپے
31-	محترم فاروق احمد HBL وعدہ	5,000/= روپے
32-	محترم سید مقبول علی وعدہ	200/= روپے

عطیات براہ راست اکاؤنٹ نمبر 1-31437 حبیب بینک لمیٹڈ
عبداللہ ہارون روڈ برانچ کراچی صدر میں بھی بھجوائے جا سکتے ہیں۔

برائے نمائندہ محمد رشید بٹ - محمد اقبال
طلوع اسلام ٹرسٹ

20. Even a casual scrutiny of some of the Muslim laws in the present form would show that they do not seem to reflect the spirit of Islam. In the verses that I have quoted and in many others found in the different surah of the Quran the most important aspect of Islamic justice is equity and forgiveness. Simply stated the judgement must be equitable i.e. equal between the crime and the punishment, equal between the individuals concerned, equal between ranks or positions; accepting differences in punishment only because of circumstances surrounding the crime. Beyond that the Quran enjoined forgiveness, mercy refraining from taking life which Islam regards as sacred.

21. These aspects of equity are contained in Verse 58 Surah An-Nisaa "And when you judge between man and man, you judge with justice" in Verse 42, Surah Al Maa-idah "If thou judge, judge in equity between them". Clearly equity equals justice. When we talk of 'Man and Man' we mean humans, whether they be women or men. Judging between man and man does not mean excluding judging between man and woman or woman. They are all man in the sense of being members of the human race.

22. In Surah .An-Nisaa, Verse 135 Allah enjoins, "Oh ye who believe! Stand out firmly for justice, as witnesses to Allah, even as against yourself, or your parents, or your kins, and whether it be (against) rich or poor for Allah can best protect both. Follow not the lusts (of your hearts) lest ye swerve, and if ye distort (justice) or decline to do justice, verily Allah is well acquainted with all that you do."

23. Here Islam enjoins us not to discriminate when dispensing justice. Again in Surah Al Maa-idah, Verse 8, Muslims are enjoined to "stand out firmly for Allah, as witness to fair dealings, and let not the hatred of others to you to make you swerve to wrong and depart from justice. Be just, for that is next to piety:" It is clear that even those who hate you (your enemies) you may not depart from justice. And certainly there is no distinction made as to gender in the dispensing of justice.

24. "An eye for an eye". This has long been equated with Muslim justice. Clearly this is meant to indicate equity in punishment. But should it be taken literally or should it be taken metaphorically? Equity, yes, but does equity mean exact identity between crime and punishment?

To Continue

14. In the time of the Prophet Muhammad S.A.W, there was only one Islam. There were no Ahlil Sunnah Wal Jamaah or Syiah. There were no sects according to the various imams, Shafie, Hanafi, Hambali and Maliki as there are now among the Sunnis, and the various sects among the Syiah. There was only one Muslim ummah believing in one Muslim religion.

15. Islam under the guidance of the Prophet succeeded in uniting all the Arab tribes into one Muslim ummah. And as one Muslim ummah they succeeded in spreading Islam and in taking the whole of the Arabian Peninsular including Mekah.

16. Under Abu Bakar, Omar and Uthman there remained only one Muslim Ummah. But when Saydinia Ali Radhiallah uu'anhu became the Khalifah, his authority was disputed and the Muslim split up into two. And this split resulted in two different interpretations of the beliefs and practice of Islam which have persisted to this day.

If there had been one Islam only during the time of the Prophet and now there are two, then it cannot be that both are absolutely right

17. If there had been one Islam only during the time of the Prophet and now there are two, then it cannot be that both are absolutely right and in accord with the true teachings. Only one can be right and one wrong. Or it can be that both are wrong. But most probably both are right most of the time but both are wrong in some areas of beliefs and practices.

18. Here is even more reason why we should return to the Al-Quran for guidance. Certainly in matters regarding Islamic laws and their application, we should at least check with the Quran as to whether the laws as interpreted and applied by the Muslim jurists through the centuries are in fact in accord with the teachings of the Al-Quran and the sahih Hadith.

19. Already I can feel that many here and elsewhere are concluding that this is heresy. But is it heretical to question the interpretation of the Islamic jurists? Are they prophets that we cannot question them even? Are they more correct than the Quran and the genuine Hadiths? We should not rush to condemn anyone who questions the correctness of the interpretation by the jurist as an apostate, unIslamic and a heretic.

Can we accept political ulamas with definite worldly agenda as infallible? And in history there had been many political ulamas that justified everything that their political masters did.

9. It is difficult to believe that Hadith can be so strong that when they contradict the Quran, we should accept the Hadith rather than the Quran.

10. However, what about Islamic laws? Although in some instances the Quran mentions crimes, laws and punishment specifically, in most cases Islamic laws are the results of the interpretations of the Quran and Hadith by generations of Muslim jurists of both the specific as well as the general misdeeds and sins narrated in the Quran. It Bukhori, Muslim and Tarmizi were mere humans and may be wrong, the chances of many Muslim jurists of the past being wrong are even greater. Most of them interpret in the context of their period, which vary from the glorious days of the Muslim Empire to the years of decline. These jurists work under or during different Governments of different periods, countries, and systems. Some may have been under pressure of the rulers of their times to justify royal deeds or proclivities. How else can they rule that it was permitted for the Sultan of Turkey to keep a harem of 300 concubines, or the murder of all the new Sultan's brothers upon his accession to the Othmaniah throne, or their virtual imprisonment in order to prevent any challenge to the Sultan's position?

12. Surely if we cannot accept all the Hadiths without verification, we accept all the laws formulated by all Muslim jurists as inviolable, as the words of Allah almost. These laws are the work of ordinary humans with their fears and prejudices, influenced by the cultures and practices of the time.

13. We are always told that when we are lost in matters of religion we must return to the Quran. No true Muslim can do otherwise. If we don't return to that source, then we are going to be confused by the plethora of pronouncements and interpretations made by a host of ulamas, some of whom may be truly learned but certainly many may be charlatans. Indeed we see in our times the practice of politicians making interpretations and casually declaring other Muslims as infidels and non-believers simply because these people do not support their political parties or accept their politically motivated interpretations of Islam.

ye shall not be dealt with unjustly." four.

I would like to add here one particular verse which influences the interpretation of the verses of the Quran and that is Surah Ali Imran, Verse 7 which clarifies *"It is He (Allah) who has sent down to you (Muhammad) the book (Quran). In it are verses that are entirely clear, and others not entirely clear".*

5. Obviously the Muslim ummah are expected to apply the unclear verses to different situation using the faculty of thinking which Allah has endowed on Man and Man only. On the question of justice and what constitute justice, the ummah has to think and think carefully.

6. I think we all subscribe to the view that the source of our Islamic faith and therefore our laws is the Al-Quran and the Hadith. I have to reiterate this because there are some who declare that some of the verses in the Quran, particularly the Meccan verses, have been revoked and have been superseded by Hadiths.

7. The Quran we believe has never been altered. On the other hand, Bukhori when examining reputedly 600,000 Hadiths rejected most of them and accepted only about 7,000 as 'sahih'. Muslim, Tarmizi and others also rejected most of the Hadiths they examined. Those they accepted sometimes differed from those verified by Bukhori, Muslim's teacher. The number that each of these scholars of the Hadith verified is often less than that of Bukhori. We can conclude that even these scholars and acknowledged ulamas disagree over the verification of many of the Hadiths current during their lifetime. Obviously, there were many false Hadiths. This is a fact or why should they reject so very many of these so- called Hadiths.

8. We are inclined to accept the verification of these ulamas but it must be remembered that although they are very knowledgeable and learned in Islam, they are not prophets. They are ordinary human beings with all the strengths and weaknesses of humans. While they may be largely right and correct in their findings on the Hadiths, they may also be wrong. It may well be that they accepted some false Hadiths and they rejected some genuine ones. It is said that the ulamas' are the 'warith' of the Prophet. If so, can we accept just anyone who declares himself an ulama, as the 'warith' of the Prophet, whose pronouncements are infallible?

and they reflect the ideals which permeate the concept of justice in Islam and its application.

3. Of necessity I have to give the English translation by Yusof Ali. The Arabic text and Malay translations are available for anyone to check against Yusof Ali's translation.

Surah Al-Mulk, Verse 12

"As for those who fear their Lord unseen, for them is forgiveness and a great reward."

Surah An-Nisaa, Verse 58

"Allah doth command you to render back to your Trusts to those to whom they are due; And when ye judge between man and man, that ye judge with justice..."

Surah An-Nisaa, Verse 92

"Never should a believer kill a believer; but (if it so happens) by mistake, (compensation is due): If one so kills a believer, it is ordained that he should free a believing slave, and pay compensation to the deceased's family, unless they remit it freely. If the deceased belong to a people at war with you, and he was a believer, the freeing of a believing slave (is enough). If he belonged to a people with whom you have treaty of Mutual Alliance, compensation should be paid to his family, and a believing slave be freed. For those who find this beyond their means, a fast for two months running: by way of repentance to Allah, for Allah has all knowledge and all wisdom."

Surah Al Maa-idah, Verse 42

"(For those who are fond of) listening to falsehood, of devouring anything forbidden. If they do come to thee, either judge between them, or decline to interfere. If thou decline, they cannot hurt thee in the least. If thou judge, judge in equity between them. For Allah loveth those who judge in equity".

Surah Al-Israa, Verse 33

"Nor take life - which Allah has made sacred - except for just cause. And if anyone is slain wrongfully, we have given his heir authority (to demand qisas or to forgive) but let him not exceed bounds in the matter of taking life, for he is helped (by the Law)."

Surah Al-Baqarah, Verse 272

"It is not required of thee (O.Messenger) to set them on the right-path, but Allah sets on the right path whom He pleaseth. Whatever of good ye give benefits your own souls, and ye shall only do so seeking the 'face' of Allah. What ever good ye give shall be rendered back to you, and

ADMINISTRATION OF ISLAMIC LAWS

[Speech of Dr. Mahathir Bin Mohamad, Prime Minister of Malaysia delivered at an International Seminar organized by the Institute of Islamic Understanding – Editor]

It is difficult to believe that Hadith can be so strong that when they contradict the Quran, we should accept the Hadith rather than the Quran

1. I would like to thank the Institute of Islamic Understanding for the honour to address this International Seminar on a subject of utmost importance to the Muslim ummah and the stability and development of Muslim countries. No society can prosper or even exist without some capability to administer justice. The greater the sophistication in the administration of justice, the greater will be the level of development possible. It is therefore in the interest of Muslim countries to take this matter seriously. When Islam brought ideas of justice and its application to the Jahiliah community, ,they became united and they prospered. When later Islamic laws and justice became distorted, Islamic civilisation regressed.

2.. Before I go on, let me quote to you several verses from the Quran so that in our discourse we may be guided by them. These verses are from many, which consistently carry the same spirit of Islamic justice. I have chosen them simply because they are typical

PAMPHLETS--پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
3- اسلام کیا ہے؟
4- الزکوٰۃ
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- الصلوٰۃ
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- خدا کی مرضی
14- دعوت پرویز کیا ہے؟
15- دو قومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- سوچیو (سندھی)
18- سوچا کرو
19- عالمگیر افسانے
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافر گری
27- مرض تشخیص اور علاج
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure
36- Why Islam is the Only Ture Deen?

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.

OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES: 545071, 75571, 539071-73
FACTORY 550171

کویت میں یوم اقبالؒ کے مناظر

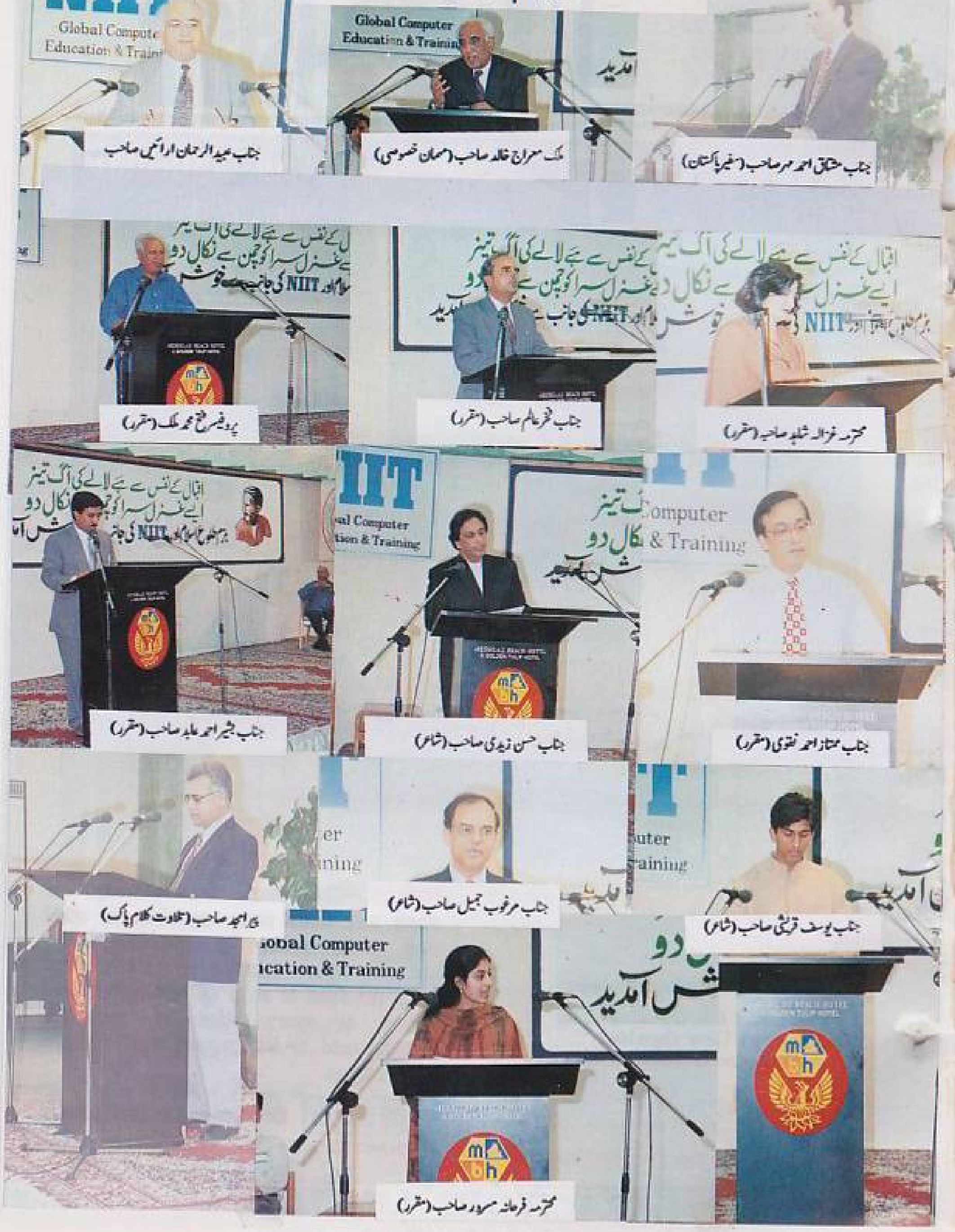

جناب عبدالرحمان ارائیں صاحب

ملک معراج خالد صاحب (مہمانِ خصوصی)

جناب مشتاق احمد مہر صاحب (سفیر پاکستان)

پروفیسر فتح محمد ملک (مقرر)

جناب قمر عالم صاحب (مقرر)

محترمہ غزالہ شاہد صاحبہ (مقرر)

جناب بشیر احمد عابد صاحب (مقرر)

جناب حسن زیدی صاحب (شاعر)

جناب ممتاز احمد نقوی (مقرر)

ڈاکٹر امجد صاحب (تلاوت کلام پاک)

جناب مرغوب جمیل صاحب (شاعر)

جناب یوسف قریشی صاحب (شاعر)

محترمہ فرحانہ مسرور صاحبہ (مقرر)